حضرت علی علیہ السلام کی برتری کے (20) بیس دلائل

تحریر:

حجۃ الاسلام والمسلمین الشیخ الدکتور عبداللہ أحمد الیوسف

ترجمہ:

حجۃ الاسلام مولانا مرزا عسکری حسین صاحب قبلہ، مقیم کویت

باسمہ تعالیٰ

حضرت علی علیہ السلام کی برتری کے بیس دلائل

تحریر:
حجۃ الاسلام والمسلمین الشیخ الدکتور عبداللہ أحمد الیوسف

ترجمہ:
حجۃ الاسلام مولانا مرزا عسکری حسین صاحب قبلہ، مقیم کویت

ناشر: ادارۂ اصلاح لکھنؤ

مشخصات

(جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ)

نام کتاب	:	حضرت علی علیہ السلام کی برتری کے بیس دلائل
تحریر	:	حجۃ الاسلام والمسلمین الشیخ الدکتور عبداللہ أحمد الیوسف
ترجمہ	:	حجۃ الاسلام مولانا مرزا عسکری حسین صاحب قبلہ، مقیم کویت
ناشر	:	ادارۂ اصلاح، مسجد دیوان ناصر علی مرحوم مرتضیٰ حسین روڈ، لکھنو ۳
باتعاون	:	امام المہدیؑ ٹرسٹ
تعداد	:	1000
صفحات	:	80
قیمت	:	30روپیے

IDARA E ISLAH
Masjid Diwan Nasir Ali, Murtaza Husain Road
Yahiyahganj, Lucknow-226003 UP INDIA
Ph. & Fax : 0091 522 4077872
E-mail: islah_lucknow@yahoo.co.in
www.islah.in

انتساب

اس کتابچہ اور ترجمہ کو سب سے پہلے بارگاہ حضرت سرکار امام زمانہ حجت ابن الحسن عج کی خدمت میں ہدیہ کرتا ہوں اور پھر ان کے صدقہ میں تمام شہداء و صالحین اور ولایت امیر المومنین علیہ السلام کی راہ میں اس دنیا سے جانے والے تمام شہیدوں کو ہدیہ کرتا ہوں۔

فہرست

نمبر شمار	عناوین	صفحات
۱	عرض ناشر	۵
۱	عرض مترجم	۷
۲	عرض مولف	۱۰
۳	حضرت علیؑ کے بیس خصوصیات	۱۴
۴	سب سے پہلے مسلمان	۱۵
۵	رسولؐ کے ساتھ سب سے پہلے نماز پڑھنے والے	۲۲
۶	نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پہلے شاگرد	۲۶
۷	سب سے پہلے کاتب وحی	۲۸
۸	قرآن مجید کے سب سے پہلے مدوّن	۲۹
۹	نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سب سے پہلے بیعت	۳۵
۱۰	سب سے پہلے وصی کا خطاب	۳۷
۱۱	اسلام میں سب سے پہلے امام	۳۹
۱۲	سب سے پہلے امیرالمومنینؑ	۴۰
۱۳	سب سے پہلے فداکار	۴۲
۱۴	راہِ خدا میں سب سے پہلے مجاہد	۴۶
۱۵	اسلام کے سب سے پہلے قاضی	۴۸
۱۶	اسلام کے پہلے پرچم دار	۵۰
۱۷	سب سے پہلے ہاشمی خلیفہ	۵۵
۱۸	اسلام کے سب سے پہلے مصنف	۵۶
۱۹	علم نحو کے بانی	۵۷
۲۰	علم کلام کے بانی وموسس	۶۲
۲۱	آئین حکومت کے سب سے پہلے موسس	۶۴
۲۲	سب سے پہلے بت شکن	۶۶
۲۳	سب سے پہلے خانۂ خدا میں ولادت اور مسجد میں شہادت	۷۳
۲۴	حسن ختام	۷۴
۲۵	منابع	۷۶

باسمہ تعالیٰ

عرض ناشر

الحمد لاھلہ والصلوٰۃ علیٰ اھلھا

ایک لاکھ تیئیس ہزار نو سو ننانوے انبیاء میں سے اگر حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو الگ کرلیا جائے تو دیگر تمام انبیاء کے خدمات و تعلیمات نامکمل نظر آئیں گے۔ اِسی طرح حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تبلیغی خدمات میں سے اگر بلافصل جانشین رسولؐ امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کی جانفشانیوں کا تذکرہ حذف کردیا جائے تو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تبلیغات کی تصویر دھندلی نظر آنے لگتی ہے۔ بعینہٖ اگر بنتِ نبی حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے عملی تعلیمات کو نظرانداز کردیا جائے تو مرد و خواتین کے لئے پیغمبرؐ کے جو تعلیمات ہیں ان کا خاکہ مکمل ہوتا ہوا نظر نہیں آتا۔

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام بلافصل پیغمبرؐ کے تبلیغی مشن میں شب و روز شریک و ہمسر نظر آتے ہیں۔ لٰہذا یہ عقلی و منطقی بات ہے کہ ان کے بعد کے جتنے بھی افراد ہیں ان کا وہ درجہ ہو ہی نہیں سکتا جو امیر المومنینؑ کا ہے۔ اس کتاب کے مولف حجۃ الاسلام والمسلمین الشیخ الدکتور عبداللہ احمد الیوسف نے بیس بہترین دلائل عقلیہ ونقلیہ کے ذریعہ عالم ممکنات میں بعدِ پیغمبرؐ حضرت علی علیہ السلام کی برتری اس طرح ثابت کی ہے کہ جس کو ردّ کیا ہی نہیں جاسکتا۔ ذی استعداد عالم دین حجۃ الاسلام مولانا مرزا

عسکری حسین صاحب نے سلیس اردو ترجمے کے ذریعہ اس مفید کتاب کو مفید تر بنا دیا ہے۔

ادارۂ اصلاح لکھنؤ نے اس کتابچے کی اشاعت کا شرف حاصل کیا ہے۔ اور امید ہے کہ اسی طرح توفیقات ایزدی اور حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی عترت طاہرہ کی برکتوں کے زیر سایہ آئندہ بھی ان شاء اللہ تعالیٰ ادارے کا یہ اشاعتی سفر جاری وساری رہے گا۔

فقط والسلام

سید محمد جابر جوراسی

نگران ماہنامہ اصلاح

۱۵ر شعبان المعظم ۱۴۴۴ھ

عرض مترجم

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب وساتھیوں میں حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی شخصیت سب سے منفرد ونمایاں تھی۔آپؑ آغوش ومکتب رسالتؐ کے پروردہ تھے اور سیرت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عملی اور ظاہری تصویر کو آپؑ کے وجود میں دیکھا جاسکتا تھا۔بچپن سے آپؑ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ رہے اور آنحضرتؐ نے اپنے ہی زیرِ دامن آپ کی پرورش کی ہے۔

وہ تمام اخلاق وفضائل اور احکام وعقائد جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام مسلمانوں کو سکھانے پر مامور تھے اور پوری عمر آپؐ ان کی تعلیم وتبلیغ کرتے رہے،حضرت علی علیہ السلام ہر علم وحکمت، ہر حکم واخلاقی فضیلت میں تمام مسلمانوں میں پیش قدم اوران سب سے آگے رہتے تھے۔اوراس حقیقت کو شیعہ اور سنی تمام علماء نے مشترکہ ومتفقہ طور اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے۔

تاریخ وحدیث کے منابع ومآخذ کا اگر کوئی منصفانہ مطالعہ اوران میں تحقیق کرے تو بلاشبہہ وبلاتردید وہ اسی نتیجہ پر پہنچے گا اور ہر میدان میں حضرت علی علیہ السلام کو اول وتمام مسلمانوں پر مقدم اوران سے افضل پائے گا۔

سر دست کتابچہ اسی راہ کی ایک کاوش وکوشش ہے۔یہ کتابچہ جس کا عنوان ہے ”حضرت علیؑ کی برتری کے بیس دلائل“۔اس کا عربی نام” عشرون منقبة فی أسبقية الإمام علی (ع) “اس کتابچہ کے اصل مولف” حجة الاسلام والمسلمین الشیخ الدکتور عبداللہ أحمد الیوسف“ ہیں۔جو ایک باتقوی اور اخلاقی فضائل وکمالات سے آراستہ،

تاریخ واحادیث وتفاسیر میں عمیق نگاہ رکھنے والے فعال دانشور وعالم دین ہیں۔موصوف کی پچاس سے زائد تالیفات وتصنیفات ہیں۔ بہت سی کتابیں مختلف زبانوں میں ترجمہ ہو کر شائع ہو چکی ہیں۔

موضوع کی اہمیت و جذابیت کے پیش نظر بندہ حقیر نے اس کتابچہ کو مولف کی درخواست پر عربی سے اردو میں ترجمہ کیا ہے اوراس سے قبل بھی میں نے موصوف کی ایک کتاب" امام سجادؑ اورانسانی تربیت" کے عنوان سے ترجمہ کیا تھا، جو اسی ادارۂ اصلاح لکھنو سے طباعت کے بعد نشر ہوئی تھی۔

گرچہ اس کتابچہ کا حجم ووسعت بہت زیادہ نہیں ہے لیکن اس کے مضامین بے حد دلچسپ وتحقیق شدہ اوراہم منابع ومآخذ سے حاصل کئے گئے ہیں، جس کی وجہ سے اس کتاب کی اہمیت مزید بڑھ جاتی ہے۔مولف نے اس کتابچہ میں مولائے کائناتؑ کی ایسی بیس فضیلتیں تحریر فرمائی ہیں جن سے تمام مسلمانوں پران کی عظمت اور برتری ثابت ہوتی ہے۔ اوراس سلسلہ میں شیعہ اوراہل سنت کی معتبر کتابوں سے اپنی بات کومستند کیا ہے۔

اس کتابچہ کے ترجمہ میں، میری کوشش رہی ہے کہ صرف الفاظ وعبارات ہی کو عربی سے اردو زبان میں نہ بدلوں، بلکہ ترجمہ میں محاوروں کالحاظ کیا گیا ہے اور جو بات یا جملہ عربی میں کہا گیا ہے اوراردو کی محاوراتی زبان میں اس کا نہج مختلف ہے تو ترجمہ میں اردو محاورہ کالحاظ کیا گیا ہے تاکہ قارئین کے لیے مفہوم واضح ونمایاں رہے۔یہی وجہ ہے کہ بعض جگہوں پر بعض الفاظ کا حذف و اضافہ ہوا ہے۔لیکن ان تمام مواقع پر مترجم کے مفہوم اور مطلب میں کوئی تصرف نہیں ہوا ہے۔

البتہ تمام تر کاوشوں اورمحنتوں کے باوجود ابھی امکان ہے کہ میرے ناقص قلم سے

شاید کوئی چیز چھوٹ گئی ہو،لیکن حتی الامکان اطمینان کے لئے اس ترجمہ پر نظر ثانی کے لئے بندہ حقیر نے استاد محترم حجۃ الاسلام والمسلمین جناب نور محمد ثالثی صاحب قبلہ قمی ونجفی کو زحمت دی تھی ۔ان کی اصلاح و ہدایت کے سبب آج یہ کتابچہ لائق نشر بنا۔میں تہہ دل ان کی شفقت و زحمتوں کا شکر گزار اور بارگاہ خدا میں ان کی دائمی صحت و عافیت اور طول عمر کے لئے دعا گو ہوں ۔

گر چہ قبل از نشر وطباعت،متعدد افراد کی نگاہوں سے یہ کتابچہ گزر چکا ہے لیکن پھر بھی ہم ”جائز الخطا“ ہیں اور اس بات کے امکان کی نفی نہیں کرتے ہیں کہ اس میں کمیاں باقی نہیں ہیں ۔اور بارگاہ خدا میں تہہ دل سے دعا گو ہیں کہ خدا مولف کے بعد مجھ حقیر سے بھی اس کاوش کو قبول فرمائے اور میرے اعمال نامہ میں اسے ذخیرہ دنیا وعقبی قرار دے اور مولف کتاب کو اور مجھ حقیر کو نیز وہ تمام لوگ جو اس کتابچہ کی نشر وطباعت میں حصہ دار بنے ہیں، ہم سب کو اس قول رسولؐ "اللھم وال من والاہ... و انصر من نصرہ..." کا مصداق قرار دے ۔”من تہی دستم واو غنی است“

مرزا عسکری حسین

۵ / رجب المرجب، ۱۴۴۴؛ ۲۷ / جنوری، ۲۰۲۳

سالمیہ،کویت

عرض مؤلف

تاریخ و حدیث کی بے شمار کتابوں سے یہ بات ثابت ہے کہ حضرت علی علیہ السلام سب سے پہلے مسلمان ہیں اور اسلام میں سبقت، رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی رسالت کے آغاز سے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر ایمان، آپ کے پیچھے نماز کی ادائیگی اور تمام تلخ و شیریں حالات میں آنحضرتؐ کے ہمراہ ہونا، حضرت علی علیہ السلام کے اہم امتیازات میں سے ہے۔

مسلمانوں پر {امام علی علیہ السلام کی} برتری اور اسبقیت کا یہ پہلو قرآن کریم کی اس آیت سے واضح ہوتا ہے جس میں اللہ نے اسلام میں سبقت لینے والے انصار و مہاجرین کو برتر بتایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے: {وَالسَّابِقُونَ الأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالأَنصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُم بِإِحْسَانٍ رَّضِيَ اللهُ عَنْهُمْ وَرَضُواْ عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتَهَا الأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَداً ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ} (سورہ توبہ، آیت ۱۰۰)

اور مہاجرین و انصار میں سے سبقت کرنے والے اور جن لوگوں نے نیکی میں ان کا اتباع کیا ہے ان سب سے خدا راضی ہوگیا ہے اور یہ سب خدا سے راضی ہیں اور خدا نے ان کے لئے وہ باغات مہیا کئے ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں اور یہ ان میں ہمیشہ رہنے والے ہیں اور یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔

اور چونکہ امام علیؑ رسول خداؐ پر سب سے پہلے ایمان لائے اور تمام تلخ و شیریں حالات میں آپؑ اسلام میں سب پر سبقت رکھتے تھے، [لہذا آیت کی رو سے آپؑ تمام مسلمانوں پر برتری رکھتے ہیں]۔

امام علی علیہ السلام کی سیرت کا مطالعہ اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ آپؑ دین کے ہر میدان میں اول تھے۔آپؑ سب سے پہلے ایمان لائے،سب سے پہلے رسول خداﷺ کے پیچھے نماز ادا کی،آپؑ اسلام میں سب سے پہلے امام ہیں،سب سے پہلے امیر المومنین کا لقب آپ کو ملا،سب سے پہلے قرآن مجید کی جمع آوری آپ نے کی اور آپؑ ہی نے سب سے پہلے علوم قرآن کو تدوین کیا۔آپ رسول خداﷺ کے سب سے پہلے شاگرد تھے،آپؑ نے سب سے پہلے رسول خداﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی اور ان کی نصرت کا اعلان کیا۔آپ سب سے پہلے وحی کے کاتب ہیں،اور آپ ہی کی ولایت کو سب سے پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا ہے۔ سب سے پہلے رسول خداﷺ پر آپ ہی نے اپنی جان فدا کی،راہ خدا میں سب سے پہلے جہاد آپ نے کیا،سب سے پہلے اسلام کا پرچم آپ نے اپنے ہاتھوں پر اٹھایا اور رسالت کے سب سے پہلے مبلغ بھی آپ ہی ہیں۔آپ اسلام کے سب سے پہلے قاضی ہیں اور آپ پہلے وہ شخص ہیں،جن پر رسول خداﷺ نے کسی کو بھی حاکم نہیں بنایا۔آپ بنی ہاشم کے پہلے خلیفہ ہیں اور سب سے پہلے حکومت اسلامی کا عالمی منشور آپ نے تیار کیا ہے۔مسلمانوں میں سب سے پہلے مولف آپ ہیں۔علم نحو کو آپ نے ایجاد کیا۔اسلام میں علم کلام کی بنیاد سب سے پہلے آپ نے رکھی ہے۔سب سے پہلے خانہ خدا میں آپ پیدا ہوئے اور شہادت بھی مسجد میں آپ سے قبل کسی کو میسر نہیں ہوئی۔اسبقیت و اولیت کی یہ فہرست بہت طولانی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ تمام علماء و دانشور اور تمام مورخین و متفکرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ امام علی علیہ السلام کی شخصیت سب میں منفرد اور بلا مقائسہ ہے۔

رسول خداﷺ بارہا حضرت علی علیہ السلام کے فضائل و مناقب بیان کرتے تھے اور علماء و محدثین نے مستقل طور پر ایسی کتابیں لکھیں ہیں جن میں صرف حضرت علی علیہ السلام

کے فضائل ومناقب کا تذکرہ ہے۔ یہ تالیفات وتصنیفات کسی ایک مذہب یا مسلک کے ماننے والوں نے نہیں لکھی بلکہ مختلف فرق ومسالک کے دانشوروں نے مولائے کائناتؑ کے فضائل ومناقب میں کتابیں تالیف کی ہیں۔ جیسے نسائی کی" خصائص امیر المومنین" ہے، خوارزمی کی مناقب، اصفہانی کی مناقب علی ابن ابی طالبؑ (ابی بکر أحمد بن موسی ابن مردویہ الاصفھانی)، ابن شہر آشوب کی مناقب آل ابی طالب وغیرہ کہ یہ وہ کتابیں ہیں جو صرف مولائے کائناتؑ کے فضائل ومناقب پر یا زیادہ تر ان کے فضائل ومناقب پر مشتمل ہیں۔

اور ہر دور میں اللہ کے فضل وکرم سے ایسے علماء ودانشور گزرے ہیں جنہوں نے حضرت علی علیہ السلام کے فضائل ومناقب پر کتابیں اور رسالے تالیف کئے اور لوگوں تک پہنچائے ہیں، باوجودیکہ ان علماء ودانشوروں کو مولائے کائناتؑ کے فضائل ومناقب نشر کرنے کے جرم میں بے شمار اذیتوں اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ہے، بلکہ ان میں سے بعض تو اس راہ میں شہید بھی ہوئے ہیں۔

البتہ دشمنان علی علیہ السلام تمام کوششوں کے باوجود بھی انؑ کے فضائل اور خوبیوں کو چھپا نہ سکے، زمانہ گزرتا گیا اور دن بدن آپؑ کے فضائل نمایاں ہوتے گئے، جیسا کہ ابن ابی الحدید کہتے ہیں: میں اس انسان کی فضیلت میں کیا کہوں، جس کے دشمنوں نے بھی فضائل کا اعتراف کیا، اور ان سے انکار فضائل ومناقب نہیں ہوسکا اور نہ ہی وہ چھپا سکے میں اس شخص کے بارے میں کیا کہوں کہ جس کے در پر فضیلتیں سجدہ ریز ہوں، جس کی فضیلت کے اعتراف میں مختلف مذاہب کے ماننے والے بھی متحد ہیں اور ہر فرقے کا شخص اس کی ذات میں جذب ہے، وہ فضیلتوں کا سردار اور منقبتوں کا سرچشمہ ہے۔

(شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید، ج ا، ص ۳۵)

جو فضائل و مناقب حضرت علی علیہ السلام کے سلسلہ میں وارد ہوئے ہیں، ایسے فضائل و مناقب اصحاب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں کسی کے نہیں ہیں۔ یہ وہ تابندہ حقیقت ہے جس کا تمام محدثین اور دانشوروں نے اعتراف کیا ہے اور ان مناقب وفضائل کو متعدد اور صحیح اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے۔

کتاب حاضر میں حضرت علی علیہ السلام کے بیس {۲۰} ایسے فضائل وخصوصیات کو بیان کیا گیا ہے، جو ان سے قبل کسی میں نہیں تھے اور وہ فضائل آپؑ ہی کے وجود میں سب سے پہلے نمایاں ہوئے ہیں۔ جن سے یہ عیاں ہوتا ہے کہ آپؑ قافلہ اسلام کی مختلف مراحل میں رہبری وقیادت میں دیگر تمام مسلمانوں پر برتری رکھتے ہیں۔

ہم نے اس کتابچہ میں مولائے کائناتؑ کے فضائل ومناقب سے نوجوانوں اور جدید نسل کو آشنا کرانے کے لئے آسان وسلیس زبان میں ان فضائل کو ذکر کیا ہے جو فریقین کی کتب احادیث میں موجود ہیں اور مولائے کائناتؑ کی تمام مسلمانوں پر برتری کو ثابت کرتے ہیں۔

بارگاہ خدا میں دعا ہے کہ وہ اس کتابچہ کو میرے اعمال نامہ کی زینت بنائے {يَوْمَ لَا يَنفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُونَ * إِلَّا مَنْ أَتَى اللَّهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ } (سورہ الشعراء/ ۸۸۔۸۹) اور وہ دن کہ جس میں مال واولاد کوئی بھی کام نہیں آئے گا، سوائے یہ کہ انسان قلب سلیم کے ساتھ بارگاہ خدا میں جائے، میرے نوشتہ کو میرا زاد آخرت بنائے۔ بے شک اللہ تبارک وتعالی ہی، امیدوں کی انتہا اور رحمت وفیض وجود وعطا کا مرکز ہے۔

اللہ المستعان

عبداللہ احمد الیوسف

سہ شنبہ ۲۵ ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ، ۲۵ فروری، ۲۰۱۴

باسمہ تعالیٰ

حضرت علی علیہ السلام کے بیس خصوصیات:

۱۔ سب سے پہلے مسلمان:

تمام نامور و معروف مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام سب سے پہلے مسلمان ہیں اور آپ سے پہلے کوئی بھی مسلمان نہیں ہوا تھا۔ اس مطلب پر خود امام علی علیہ السلام تاکید کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "خدایا میں سب سے پہلے تیری بارگاہ میں سجدہ ریز ہوا، میں نے حق کو سنا اور سب سے پہلے اس کی آواز پر لبیک کہا ہے"۔

(بحار الأنوار، العلامه المجلسي، ج 34 ص 111. (أنا أول من أسلم، وأول من صلى مع رسول الله ﷺ)

ابن مردویہ حضرت علی علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں: "میں سب سے پہلا مسلمان ہوں اور سب سے پہلے رسول اکرم ﷺ کے پیچھے میں نے نماز ادا کی ہے"۔

(مناقب علي بن أبي طالبؑ، ابن مردويه الأصفهانی، ص 47، رقم 1. ((أنا أول من أسلم، وأول من صلى مع رسول الله ﷺ)

ابن ہشام سیرت نبویہ میں نقل کرتے ہیں: حضرت علی بن طالبؑ پر خدا کی خاص عنایتوں میں سے ایک خاص عنایت اور خدا کے ان پر فضل و کرم میں سے ایک یہ رہا ہے کے قریش کو شدید بحران کا شکار ہونا پڑا حضرت ابو طالبؑ کثیر العیال تھے۔ رسول اللہ ﷺ اپنے چچا جناب عباس { جن کے مالی حالات اچھے تھے } کے پاس آئے اور کہا: قحط سے لوگوں کے حالات خراب ہیں اور آپ کے بھائی ابو طالبؑ کثیر العیال ہیں، ہم مل کر ان کے بوجھ کو ہلکا کر سکتے ہیں، چنانچہ ان کے ایک بیٹے کو آپ اور ایک کو میں گود لیتا ہوں { تا کہ اس طرح ان پر سے عیال کا بوجھ کم ہو جائے }، جناب عباس نے فرمایا؛ ہاں ایسا ہی ہے۔

جناب عباس رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ جناب ابو طالب کے پاس آئے اور جناب

عباس و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جناب ابو طالب سے کہا: آپ کیا کہتے ہیں؟ ہم آپ پر سے آپ کے عیال کا بوجھ کچھ کم کرنا چاہتے ہیں، یہاں تک کہ لوگوں پر سے ان حالات کا بادل چھنٹ جائے۔

جناب ابو طالبؑ نے فرمایا: عقیل کے سوا آپ لوگ جسے بھی اختیار کریں میں تیار ہوں۔ چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کو اور جناب عباس نے جناب جعفر کا انتخاب کیا۔ اور تب سے، حضرت علی علیہ السلام ہمیشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہے۔ بعثت کے بعد آپؐ پر ایمان لائے، ان کی رسالت کی تصدیق کی اور ہمیشہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نقش قدم پر چلتے رہے۔

(السيرة النبوية، ابن هشام، المكتبة العصرية، بيروت، طبع عام 1423هـ - 2002م، ج1، ص184- 185. وقال ابن هشام في السيرة النبوية: ((وكان من نعمة الله على علي بن أبي طالب ومما صنع الله له وأراد به من الخير، أن قريشا أصابتهم أزمة شديدة، وكان أبو طالب ذا عيال كثير. فقال رسول الله (ص) للعباس عمه، وكان من أيسر بني هاشم: يا عباس إن أخاك أبا طالب كثير العيال، وقد أصاب الناس ما ترى من هذه الأزمة، فانطلق بنا إليه فلنخفف عنه من عياله، آخذ من بنيه رجلاً وتأخذ أنت رجلاً فنكفهما عنه. فقال العباس: نعم. فانطلقا حتى أتيا أبا طالب، فقالا له: إنا نريد أن نخفف من عيالك حتى ينكشف عن الناس ما هم فيه. فقال لهما أبو طالب: إذا تركتما لي عقيلاً فاصنعا ما شئتما. فأخذ رسول الله (ص) علياً فضمه إليه، وأخذ العباس جعفراً فضمه إليه، فلم يزل علي مع رسول الله (ص) حتى بعثه الله تبارك وتعالى نبياً، فاتبعه علي وآمن به وصدقه)).

نسائی اپنی کتاب خصائص میں زید بن ارقم سے روایت کرتے ہیں: رسول اکرم

ﷺ پر سب سے پہلے ایمان علی بن ابی طالب لائے ہیں۔

(خصائص أمير المؤمنين علي بن أبي طالب، النسائي، ص20، رقم 3و4.
((أول من أسلم مع رسول الله (ص) علي بن أبي طالب)

محدثین کی اکثریت یہ کہتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر سب سے پہلے حضرت علی علیہ السلام ایمان لائے اور آپؑ کے نقش قدم پر چلتے رہے۔اس قول کی مخالفت کرنے والے محدثین بھی بہت کم ہیں۔اس سلسلہ میں حضرت علی علیہ السلام خود فرماتے ہیں: میں صدیق اکبر ہوں، میں فاروق اول ہوں، لوگوں سے قبل میں مسلمان ہوا اور سب سے پہلے میں نے نماز ادا کی ہے۔

کتب احادیث کے مطالعہ سے یہ حقیقت بالکل واضح ہو جاتی ہے۔واقدی اور ابن جریر طبری جیسے بزرگ علماء کا یہی نظریہ ہے اور صاحب" الاستیعاب" (۔أبو عمر يوسف بن عبد الله النمري المعروف بابن عبد البر) نے بھی اسی نظریہ کی تائید کی ہے۔

ابن اثیر" اسد الغابۃ" میں نقل کرتے ہیں کہ اکثر علماء کے مطابق حضرت علی علیہ السلام سب سے پہلے مسلمان ہیں۔

(وفي أسد الغابه: هو أول الناس إسلاماً في قول كثير من العلماء)

ابن عبد البر" الاستیعاب" میں لکھتے ہیں کہ جناب سلمان، ابو ذر، مقداد، خباب، جابر، ابی سعید خدری اور زید بن ارقم سے روایت ہے کہ حضرت علی علیہ السلام سب سے پہلے مسلمان ہیں اور تمام صحابہ نے حضرت علیؑ کو دوسرے مسلمانوں پر برتری دی ہے۔

ابن اسحاق کہتے ہیں: مردوں میں سب سے پہلے اللہ { کی وحدانیت } اور اس کے رسولؐ { کی رسالت } کی گواہی حضرت علی ابن ابی طالبؑ نے دی ہے۔

ابن شہاب کے مطابق جناب خدیجہ کے بعد مردوں میں سب سے پہلے حضرت علیؑ

ایمان لائے ہیں۔ البتہ اس بات پر سب اتفاق رکھتے ہیں کہ جناب خدیجہ سب سے پہلی مسلمان ہیں۔ ابن شہاب نے جناب ابن عباس سے روایت کی ہے کہ حضرت علیؑ میں چار خوبیاں ایسی ہیں، جو ان کے سوا کسی میں نہیں تھیں:

"عرب و عجم میں سب پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے علی علیہ السلام نے نماز ادا کی، حضرت علی علیہ السلام ہر جنگ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پرچمدار تھے، جب سارے مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اکیلا چھوڑ کر بھاگ گئے تھے اس وقت، حضرت علیؑ نے صبر و استقامت کے ساتھ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جان بچائی اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غسل و کفن اور ان کی تدفین بھی حضرت علی علیہ السلام نے کی ہے"۔

ابن اسحاق جناب سلمانؓ کی زبانی، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ روز محشر سب سے پہلے حوض کوثر پر میری ملاقات اس امت کے پہلے مسلمان، علی ابن ابی طالبؑ سے ہوگی۔ اس روایت کو جناب سلمانؓ سے حاکم نے مستدرک میں بھی نقل کیا ہے۔ اور صاحب" الاستیعاب" ابن عباس سے روایت کرتے ہیں: جناب خدیجہ کے بعد سب سے پہلے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے حضرت علی ابن ابی طالبؑ نے نماز ادا کی۔ اور اسی کتاب میں ابن عباس سے روایت ہے کہ لوگوں میں جناب خدیجہ کے بعد سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے والے جناب علی ابن ابی طالبؑ ہیں۔

ابوعمر و ابن عبد البر کہتے ہیں: حدیث کی سند بالکل معتبر اور صحیح ہے لہذا اس کے راویوں میں طعن کی گنجایش نہیں ہے۔ ابن شہاب، عبداللہ بن محمد بن عقیل، قتادہ اور ابن اسحاق کہتے ہیں: مردوں میں سب سے پہلے ایمان لانے والے حضرت علیؑ ہیں۔ محدثین کا اتفاق ہے کہ اللہ اور اس کے رسولؐ پر سب سے پہلے جناب خدیجہ، ایمان لائیں اور ان کے

بعد حضرت علیؑ ہیں ۔ابن عبد البر کہتے ہیں، یہ روایت ابی رافع سے بھی نقل ہوئی ہے ۔اور ابی رافع کی سند سے، ابن عبد البر نقل کرتے ہیں کہ محمد بن کعب القرظی سے سوال کیا گیا کہ سب سے پہلے حضرت علیؑ اسلام لائے یا ابو بکر؟ وہ بولے: سبحان اللہ { عجیب بات ہے، بے شک } علیؑ کا اسلام مقدم ہے اور لوگوں کے شک وشبہہ کی وجہ یہ ہے کہ حضرت علیؑ نے اپنا ایمان پوشیدہ رکھا ۔اور بلاشبہہ ہمارے نزدیک علیؑ ہی، پہلے مسلمان ہیں ۔

ابن عبد البر نے قتادہ اور حسن سے روایت کی ہے کہ سب سے پہلے مسلمان حضرت علیؑ ہیں ۔ابن اسحاق کہتے ہیں کہ مردوں میں اللہ و رسولؐ پر سب سے پہلے حضرت علیؑ ایمان لائے ہیں ۔نیز قتادہ، حسن اور دیگر محدثین سے وہ نقل کرتے ہیں کہ جناب خدیجہ کے بعد سب سے پہلے ایمان لانے والے حضرت علیؑ ہیں ۔اور ابن عباس سے روایت کرتے ہیں سب سے پہلے مسلمان حضرت علیؑ ہیں ۔

ابن عبد البر، مسلم ملائی سے انس بن مالک کی روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ دوشنبہ { پیر } کو مبعوث ہوئے اور سہ شنبہ { منگل } کو حضرت علیؑ نے ان کے پیچھے نماز ادا کی ہے ۔حاکم، مستدرک میں عبد اللہ بن بریدہ اور وہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ دوشنبہ کو رسول اللہ ﷺ پر وحی نازل ہوئی اور سہ شنبہ کو حضرت علیؑ نے ان کے پیچھے نماز ادا کی ہے ۔نیز حاکم انس سے روایت کرتے ہیں کہ دوشنبہ کو رسول صلعم کو نبوت ملی اور سہ شنبہ کو علیؑ نے اسلام کی گواہی دی ہے ۔

نسائی اپنی خصائص میں متعدد اسناد سے زید بن ارقم سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پیچھے سب پہلے حضرت علی ابن ابی طالبؑ نے نماز ادا کی ہے ۔زید بن ارقم کی دوسری روایت میں کہتے ہیں کہ سب سے پہلے مسلمان حضرت علی ابن ابی طالبؑ ہیں ۔حاکم

نیشاپوری نے مستدرک میں زید بن ارقم کی روایت کی تصحیح کرتے ہوئے نقل کیا ہے کہ حضرت علی ابن ابی طالبؑ سب سے پہلے مسلمان ہیں۔ ذہبی نے تلخیص مستدرک میں اور ابن عبدالبر نے الاستیعاب میں اس روایت کو صحیح بتایا ہے۔

(أعيان الشيعة، السيد محسن الأمين، ج2، ص25 - 26.)

محمد بن اسحاق سے روایت ہے کہ مردوں میں سب سے پہلے اللہ کے نبیؐ پر ایمان لانے والے، ان کے پیچھے نماز ادا کرنے والے اور اللہ کے دین کو مکمل قبول کرنے والے حضرت علی ابن ابی طالبؑ ہیں جبکہ اس وقت آپ صرف دس برس کے تھے اور حضرت علی ابن ابی طالبؑ پر اللہ کی یہ نعمت تھی کہ وہ اسلام سے قبل بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آغوش مبارک میں پرورش پا رہے تھے۔

(المناقب، الموفق الخوارزمي، مؤسسة النشر الإسلامي، قم، الطبعة الخامسة 1425هـ، ص51، رقم13.)

ابن اسحاق کہتے ہیں: حضرت علیؑ جس وقت اسلام لائے، ان کی عمر بیس سال کی تھی۔

(البدء والتاريخ، أحمد بن سهل البلخي، دار صادر، بيروت، الطبعة الأولى 1431هـ- 2010م، ص372)

ابن کثیر اپنے اسناد سے نقل کرتے ہیں: حضرت علیؑ سب سے پہلے مسلمان تھے اور اس وقت ان کی عمر صرف نو سال کی تھی۔

(البداية والنهاية، ابن كثير، ج3، ص285.)

ابن عباس کہتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والے علیؑ ہیں۔ (الكامل في التاريخ، ابن الأثير، ج1، ص582.)

ابن اثیر اسد الغابۃ میں متعدد اسناد سے ابن عباس اور زید بن ارقم سے نقل کرتے

ہیں کہ سب سے پہلے مسلمان حضرت علیؑ ہیں۔

(أسد الغابة، ابن الأثير، ج4، ص17.)

اور ابی بن ارقم سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر سب سے پہلے ایمان لانے والے علی بن ابی طالبؑ ہیں۔

(تاریخ الطبری، ابن جدید الطبری، ج1، ص537)

قاضی مغربی کہتے ہیں: علی علیہ السلام اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر اس وقت ایمان لائے جبکہ لوگ مشرک تھے، اللہ کے نبی ﷺ کی انہوں نے اس وقت تصدیق کہ جب لوگ انہیں جھٹلا رہے تھے۔ علیؑ سب سے پہلے مومن اور اسلام میں سب پر سبقت رکھتے ہیں، وہ مقربین اور صدیقین میں سے تھے اور یہ انہیں کا حق ہے کہ انہیں ان دو ناموں ″مقرب وصدیق″ سے پکارا جائے۔ اور یہی وجہ ہے کہ کہا جاتا ہے کہ قرآن کی جس آیت میں ″اے صاحبان ایمان″ آیا ہے اس کے اولین مصداق علیؑ ہیں۔

(المناقب والمثالب، القاضي المغربي، ص206)

تاریخ، سیرت اور حدیث کی تمام بڑی کتابوں میں یہ درج ہے کہ امام علیؑ سب سے پہلے مسلمان ہیں اور اس شرف میں کوئی بھی ان پر سبقت نہیں رکھتا اور سوائے انگشت شمار مورخین کے کسی نے بھی اس حقیقت کا انکار نہیں کیا ہے۔

۲۔ رسول ﷺ کے ساتھ سب سے پہلے نماز پڑھنے والے

امام علی علیہ السلام کے فضائل اور دوسروں پر ان کی برتری کی دوسری دلیل یہ ہے کہ آپؑ نے سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے نماز ادا کی ہے اور یہ بات متواتر روایات سے ثابت ہے۔ منجملہ:

نسائی اپنے اسناد سے حبۃ العرنی سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے حضرت علیؑ کو کہتے سنا ہے: سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے میں نے نماز ادا کی ہے۔

(خصائص أمير المؤمنين على بن أبي طالب، النسائی، المكتبة العصرية، طبع عام 1424هـ-2003م، ص20.)

زید بن ارقم سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ کے پیچھے سب سے پہلے نماز ادا کرنے والے حضرت علیؑ ہیں۔

(خصائص أمير المؤمنين على بن أبي طالب، النسائی، المكتبة العصرية، طبع عام 1424هـ-2003م، ص20.)

عمرو بن مرہ کہتے ہیں میں نے ابوحمزہ کو کہتے سنا ہے کہ میں نے زید بن ارقم سے سنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے نماز ادا کرنے والے سب سے پہلے مرد حضرت علیؑ ہیں۔

(تاریخ الطبری، ابن جریر الطبری، ج1، ص537.)

عباد بن عبداللہ کہتے ہیں میں حضرت علیؑ کو کہتے سنا ہے کہ" میں اللہ کا بندہ ہوں، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بھائی ہوں، میں ہی صدیق اکبر ہوں، میرے بعد اس لقب کو خود سے منسوب کرنے والا جھوٹا اور افترا پرداز ہوگا، اورلوگوں سے سات سال قبل سے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نماز ادا کی ہے۔

(تاریخ الطبری، ج 2، ص 537، والکامل فی التاریخ، ابن الأثیر، ج 1، ص 582.)

ابن مردویہ حبہ بن جوین سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت علیؑ نے فرمایا ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ میں نے سات سال تک اللہ کی عبادت کی جبکہ اس امت میں اس وقت کوئی بھی اللہ کی عبادت نہیں کرتا تھا۔ (مناقب علی بن أبي طالب، الأصفهاني، ص 48، رقم 4.)

ابن عباس کہتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سب سے پہلے نماز ادا کرنے والے حضرت علیؑ ہیں اور جابر ابن عبد اللہ کہتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوشنبہ کو مبعوث بہ رسالت ہوئے اور سہ شنبہ کو علیؑ نے ان کے پیچھے نماز ادا کی ہے۔

(الکامل فی التاریخ، ج 1، ص 582.)

"الاستعیاب" میں ہے کہ حضرت علیؑ نے فرمایا ہے کہ میں نے اتنے اتنے سال تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ میں نماز ادا کی اور اس وقت جناب خدیجہ کے علاوہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ کوئی بھی نماز ادا کرنے والا نہیں تھا۔

اور "الاستیعاب" میں حبۃ بن جوین کی حضرت علیؑ کی روایت ہے۔ آپؑ فرماتے ہیں: اس امت میں مجھ سے قبل اللہ کی عبادت کرنے والا کوئی بھی نہیں ہے، میں نے پانچ یا سات سال تک اس طرح اللہ کی عبادت کی ہے جبکہ کوئی بھی اس کی عبادت کرنے والا نہیں تھا، نیز اسی اسناد سے ابو ایوب انصاری سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: سات سال تک فرشتوں نے مجھ پر اور علیؑ پر درود وسلام بھیجا ہے، کیونکہ اس دوران مردوں میں علیؑ کے سوا کوئی بھی میرے ساتھ نماز ادا نہیں کرتا تھا۔

خصائص میں نسائی اپنے اسناد سے حضرت علیؑ سے روایت کرتے ہیں: میں لوگوں سے سات سال قبل ایمان لایا، نیز اپنے اسناد سے حضرت علیؑ سے وہ روایت کرتے ہیں:

رسول اللہ ﷺ کے بعد اس امت میں مجھ سے قبل کسی نے بھی اللہ کی عبادت نہیں کی ہے، میں نے نو سال اللہ کی عبادت اس وقت کی ہے جب اس امت میں سے کوئی بھی اللہ کی عبادت کرنے والا نہیں تھا۔ خصائص کے دیگر نسخوں میں بھی نو سال ہیں، لیکن شاید لفظ میں تصحیف ہوئی ہے، اصل سات سال ہیں۔

(أعیان الشیعة، السید محسن الأمین، ج2، ص26)

حاکم مستدرک میں اپنی سند سے عباد بن عبد اللہ اسدی سے اور وہ حضرت علیؑ سے روایت کرتے ہیں کہ: میں اللہ کا بندہ ہوں، میں اللہ کے رسول کا بھائی ہوں، میں صدیق اکبر ہوں، میرے بعد اس لقب کو اپنانے والا کذاب ہوگا، اور لوگوں سے قبل سات سال تک میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز ادا کی جبکہ اس امت میں کوئی بھی اللہ کی عبادت کرنے والا نہیں تھا۔

(أعیان الشیعة، السید محسن الأمین، ج2، ص26)

حاکم، حبة العرنی سے روایت کرتے ہیں کہ میں حضرت علیؑ کو کہتے سنا ہے کہ: میں نے پانچ سال تک اس وقت اللہ کی عبادت کی جبکہ اس امت کا کوئی بھی اللہ کی عبادت کرنے والا نہیں تھا۔ حبة العرنی کی اسناد سے حاکم کی روایت ہے وہ کہتے ہیں میں نے حضرت علیؑ کو کہتے سنا ہے کہ: میں نے سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز ادا کی ہے اور حافظ نسائی نے بھی خصائص میں حبة العرنی سے اس روایت کو نقل کیا ہے۔

(أعیان الشیعة، السید محسن الأمین، ج2، ص25.)

ابن عباس سے روایت ہے کہ: رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ فرشتوں نے مجھ پر اور علیؑ پر سات سال تک درود بھیجا ہے، وجہ پوچھی گئی تو آپؐ نے فرمایا: کیونکہ مردوں میں علیؑ کے علاوہ میرے ساتھ کوئی بھی نہ تھا۔

مناقب خوارزمی میں بھی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: سات سال تک فرشتوں نے مجھ پر اور علیؑ پر درود بھیجا ہے اور وہ اس لئے روئے زمین پر سے آسمان تک میرے اور علی کے سوا" لا الہ الا اللہ" کی گواہی کی صدا بلند کرنے والا کوئی نہ تھا۔ طبری نے بھی اپنے خصائص میں اس روایت کو نقل کیا ہے۔

(بحار الأنوار، العلامة المجلسی، ج38، ص239.)

مذکورہ احادیث و روایات سے واضح ہو جاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پیچھے سب سے پہلے نماز ادا کرنے والے حضرت علیؑ ہیں اور تمام مسلمانوں سے سات سال قبل آپؑ نے نماز ادا کی ہے، کیونکہ نماز، شب معراج فرض ہوئی ہے اور معراج ہجرت کے تین سال قبل تھی اور {علنی} بعثت کے بعد نبی اکرم ﷺ نے صرف دس سال مکہ میں قیام کیا ہے اور اس دوران حضرت علیؑ رسول اکرم ﷺ کے ہمراہ غار حراء یا شعب میں جایا کرتے تھے اور اس طرح سات سال دونوں نے اللہ کی عبادت کی یہاں تک کہ نماز کا فریضہ نازل ہوا۔

۳۔ نبی اکرم ﷺ کے پہلے شاگرد

حضرت امام علی علیہ السلام کی نشونما آغوش رسول اکرم ﷺ میں ہوئی اور آپؑ نے آنحضرتؐ سے اس عرصہ میں بے شمار فیض حاصل کیا ہے اور آنحضرتؐ نے ہی آپؑ کو معرفت، علم و اخلاق اور سلوک و دانش سے مال مال کیا ہے۔ آپؑ نے آغوش رسالت میں پرورش پائی ہے۔ لہذا یہ کہنا درست ہوگا کہ حضرت علی علیہ السلام رسول اکرم ﷺ کے سب سے پہلے شاگرد ہیں۔

قاضی مغربی کہتے ہیں: رسول اکرم ﷺ جب بڑے ہوئے اور کمال و رشد کے سن پر پہنچ گئے تو حضرت علیؑ کو جناب ابو طالبؑ سے لے لیا، تاکہ اس طرح جناب ابو طالبؑ کو ان کے احسانات کا بدلہ ادا کرسکیں جو آپؑ نے بچپن میں رسول اکرم ﷺ کی پرورش اور کفالت میں ان کے ساتھ کیے تھے۔ لہذا جناب رسول اکرم ﷺ نے حضرت علیؑ کی تربیت و پرورش کی، انہیں بچپن سے پال پوس کر بڑا کیا اور تربیت میں ایک شفیق باپ و مہربان بھائی کا کردار نبھایا اور اس طرح امام علیؑ آغوش رسول اکرم ﷺ میں تربیت پاتے رہے اور آنحضرتؐ کے آداب و اخلاق سیکھتے رہے اور ایک لمحہ کے لئے بھی نہ غیر خدا کے آگے سجدہ کیا اور نہ ہی خدا کا کوئی شریک مانا۔ (المناقب والمثالب، القاضي المغربي، ص206.)

حضرت علیؑ نے اس نمایاں حقیقت کی طرف خطبہ قاصعہ میں اشارہ فرمایا ہے؛ چنانچہ آپؑ فرماتے ہیں:

میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ اسی طرح رہتا تھا جس طرح اونٹنی کا بچہ اپنی ماں کے ہمراہ ہوتا ہے۔ آپؐ ہر روز مجھے اخلاق کا ایک باب سکھاتے تھے اور مجھے اس پر عمل کا حکم دیتے تھے۔ وہ ہر سال غار حرا میں عبادت کرتے تھے اور انہیں میرے سوا کوئی بھی وہاں

نہیں دیکھتا تھا۔رسول اللہ ﷺ جناب خدیجہ اور میرے سوا قریش میں کوئی ایک بھی [اللہ کی عبادت کرنے والا نہیں تھا] اور اس وقت میں نور رسالت کو دیکھتا تھا، عطر نبوت کو سونگھتا تھا۔جب پہلی بار آنحضرت ﷺ پر وحی ہوئی تو میں نے شیطان کی چیخ کو سنا، رسول اکرم ﷺ سے میں نے دریافت کیا: اے اللہ کے نبی یہ چیخ کس کی ہے؟ تو آنحضرتؐ نے فرمایا: یہ شیطان کی چیخ ہے۔وہ اپنی عبادت سے مایوس ہو چکا ہے۔اے علیؑ آپ بھی وہ سنتے ہیں جو میں سنتا ہوں اور وہ دیکھتے ہیں جو میں دیکھتا ہوں، بس فرق یہ ہے کہ آپ نبی نہیں ہیں، بلکہ آپ میرے وزیر و جانشین ہیں اور آپ خیر پر ہیں۔

(نهج البلاغة، ج1، ص442، رقم الخطبة 192.)

امام علی علیہ السلام ہر جگہ اپنے استاد نبی اکرم ﷺ کے ساتھ رہتے تھے۔گھر میں مسجد میں، وادیوں میں صحراؤں میں اور جنگوں میں۔

حضرت علیؑ ہر روز صبح و شام رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں آتے تھے اور آنحضرتؐ سے کسب علوم و معارف کیا کرتے تھے۔آپؑ فرماتے ہیں: رسول اکرم ﷺ نے مجھے علم کے ایک ہزار باب سکھائے اور ہر باب سے علم کے ہزار باب کھلتے تھے (شرح الأخبار، القاضي النعمان المغربي، ج2، ص308، رقم629.)۔اسی طرح کی دوسری حدیث میں آپؑ نے فرمایا ہے: رسول اللہ ﷺ نے مجھے علم کے ہزار باب کی تعلیم دی اور میں ہر باب علم سے ہزار باب کھولتا تھا۔(بحار الأنوار، ج69، ص183.)

امام علی علیہ السلام رسول اکرم ﷺ کے شاگرد، آپؐ کے علوم و معارف کے خازن اور اسرار نبوت کے راز دار تھے۔چنانچہ رسول اکرم ﷺ فرماتے ہیں: میں شہر علم ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں، جو کوئی بھی شہر علم سے فیض یاب ہونا چاہتا ہے اسے اس کے دروازہ سے ہی آنا ہوگا۔(تحف العقول، ابن شعبة الحرانی، ص317.)

دوسری روایت میں فرماتے ہیں: میں شہر علم ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں اور شہر میں دروازہ سے ہی داخل ہوا جاتا ہے۔(التوحید، الشیخ الصدوق، ص307.)

۴۔ سب سے پہلے کاتب وحی

کتنے لوگ کاتب وحی تھے؟ اس سلسلہ میں مورخین کی رائے مختلف ہے کیونکہ بعض مورخین نے کاتبان وحی اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دیگر امور کے کاتبوں کے درمیان اشتباہ کیا ہے۔لیکن ان تمام اختلاف میں اس بات پر سب متفق ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام وحی کے سب سے پہلے کاتب ہیں۔رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر رات ہو یا دن، جس وقت بھی وحی نازل ہوتی تھی، جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے پہلے حضرت علیؑ کو اس کی خبر دیتے تھے۔

اس سلسلہ میں حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

مجھے قرآن کے ناسخ ومنسوخ محکم ومتشابہ، آیات کا فصال ووصال اور اس کے حروف ومعانی کا علم ہے۔قسم خدا کی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہونے والے ہر حرف کا مجھے علم ہے، وہ کس کے بارے میں نازل ہوا کس دن نازل ہوا کس جگہ نازل ہوا؟۔وائے ہو ان پر، کیا ان لوگوں نے یہ آیت نہیں پڑھی ہے: { إِنَّ هَذَا لَفِي الصُّحُفِ الْأُولَى * صُحُفِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى } (سورة الأعلى، الآيتان: 18-19)۔قسم خدا کی یہ علم میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وراثت میں لیا ہے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جناب ابراہیم وموسی علیہما السلام سے وراثت میں لیا ہے۔وائے ہو ان پر، قسم خدا کی میں وہ ہوں جس کے لئے اللہ نے یہ آیت نازل کی ہے: { وَتَعِيَهَا أُذُنٌ وَاعِيَةٌ } (سورة الحاقة، الآية: 12.) ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بزم میں ہوتے تھے اور آنحضرتؐ پر وحی نازل ہوتی تھی، میں سمجھتا تھا اور دوسرے لوگ نہیں سمجھ پاتے تھے۔اور جب ہم آنحضرتؐ کی بزم سے باہر نکلتے تھے تو لوگ کہتے تھے: ابھی کیا کہا رسول اللہؐ نے؟۔(بحار الأنوار، ج 40، ص 138، رقم 31.)

لہذا امام علی علیہ السلام رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قریب تھے اور بیت نبوت میں جو کچھ بھی ہوتا تھا، آپؑ کو اس کی خبر رہتی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ہر وحی کے نازل ہونے کے بعد حضرت علیؑ کو بتاتے تھے اور آپؑ اسے لکھ کر اس کی حفاظت کرتے تھے۔

۵۔ قرآن مجید کے سب سے پہلے مدوّن

نبی اکرم ﷺ کی وفات کے بعد قرآن مجید کو ترتیب نزول کے اعتبار سے سب سے پہلے حضرت علی علیہ السلام نے جمع کیا ہے۔اور یہ بات شیعہ وسنی دونوں واسطوں سے متواتر و بے شمار حدیثوں سے ثابت ہے۔

کتاب اتقان میں روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی وفات کے بعد سب سے پہلے قران کی تدوین حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے کی ہے۔ ابن ابی داود "المصاحف" میں ابن سیرین سے روایت کرتے ہیں کہ: حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جب رسول اکرم ﷺ کی وفات ہوئی تو میں نے عہد کیا کہ میں اپنے دوش پر نماز کے سوا عبا نہیں رکھوں گا، جب تک قرآن مجید جمع نہ کرلوں، اور پھر میں نے قرآن مجید کی جمع آوری کی۔ ابن حجر نے اس روایت کو سند میں خلل کے باعث ضعیف بتایا تو سیوطی نے کتاب" الاتقان" میں جواب دیا کہ یہ روایت دوسرے واسطوں سے بھی نقل ہوئی ہے۔ چنانچہ ابن ضریس اپنی کتاب" فضائل" میں بشر بن موسی سے، انہوں نے ہودہ بن خلیفہ سے، انہوں نے عون سے، انہوں نے محمد بن سیرین سے، اور انہوں نے عکرمہ سے نقل کیا ہے: ابو بکر کی بیعت کے وقت حضرت علی ابن ابی طالبؑ خانہ نشین ہوئے تو، ابو بکر سے کہا گیا: علیؑ کو آپ کی بیعت سے گریز ہے، ابو بکر نے انہیں بلا کر پوچھا: آپ کیوں میری بیعت کو نہیں آئے؟ حضرت علیؑ نے فرمایا: میں نے دیکھا کہ کتاب خدا میں تبدیلیوں کا امکان ہے، تو میں نے عہد کیا کہ نماز کے علاوہ اپنے دوش پر عبا نہیں ڈالوں گا جب تک کہ قرآن مجید کی جمع آوری نہ کرلوں۔

نیز سیوطی کہتے ہیں کہ ابن اشتہ نے" المصاحف" میں ابن سیرین کے دوسرے سلسلہ

سند سے بھی نقل کیا ہے۔ وہ روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے {حضرت علیؑ نے} اپنی مصحف میں ناسخ ومنسوخ کو بھی بیان کیا ہے۔ اور ابن سیرین کہتے ہیں میں اس کتاب {مصحف امام علیؑ} کو تلاش کیا اور مدینہ میں بھی اس کی جستجو کی لیکن وہ دستیاب نہیں ہوئی۔

ابن سعد کے علاوہ ابن عبدالبر نے" الاستیعاب" میں ابن سیرین سے روایت کی ہے کہ میں نے سنا ہے کہ حضرت علیؑ نے ابو بکر کی بیعت میں تاخیر کی تو ابو بکر نے کہا کہ کیا آپ کو میری خلافت ناپسند ہے؟ حضرت علیؑ نے جواب دیا: میں نے خود سے عہد کیا ہے کہ اپنے دوش پر اس وقت تک عبا نہیں ڈالوں گا جب تک قرآن مجید کی جمع آوری نہ کروں۔ وہ {ابن سیرین} کہتے ہیں لوگوں کا خیال یہ ہے کہ حضرت علیؑ نے ترتیب نزول کے اعتبار سے قرآن کو جمع کیا تھا۔

ابن سیرین کہتے ہیں کہ اگر وہ کتاب مل جاتی تو ،علم کا ذخیرہ تھا۔

ابن عوف کہتے ہیں کہ میں نے عکرمہ سے اس کتاب کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا کہ مجھے اس کا علم نہیں ہے۔

" الاتقان" ہی کی روایت ہے کہ ابن حجر کہتے ہیں کہ ایک روایت کے مطابق حضرت علی علیہ السلام نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد قرآن مجید کو ترتیب نزول کے اعتبار سے جمع کیا ہے۔ اور اس روایت کو ابی داوٴد نے بھی نقل کیا ہے۔

ابو نعیم کی" الحلیہ" میں اور" الخطیب" نے" الاربعین" میں سدی کے سلسلہ سند سے اور عبد خیر کی روایت حضرت علیؑ سے نقل کی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہوئی تو میں نے قسم کھائی تھی کہ جب تک قرآن مجید کو دو دفتیوں کے درمیان جمع نہ کرلوں، اپنے دوش پر عبا نہیں ڈالوں گا، اور جمع کے علاوہ میں نے اس وقت تک اپنے دوش پر عبا نہیں ڈالی

جب تک قرآن کو جمع نہیں کرلیا۔

ابن ندیم اپنی" فہرست" میں عبد خیر سے حضرت علی علیہ السلام کی روایت نقل کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ کی وفات کے وقت حضرت علی علیہ السلام نے لوگوں کے درمیان پراکندگی محسوس کی تو عہد کیا کہ جب تک قرآن مجید کی جمع آوری نہ کرلیں وہ اپنے دوش پر عبا نہیں ڈالیں گے۔ چنانچہ تین دن تک مسلسل اپنے گھر میں بیٹھ کر قرآن مجید کی جمع آوری کی اور یہ وہ پہلا قرآن مجید ہے جسے حضرت علی علیہ السلام نے اپنے حافظہ سے جمع کیا ہے اور یہ قرآن جناب جعفر { صادقؑ } کے وارثوں کے پاس ہے۔

مناقب ابن شہر آشوب میں اہل بیتؑ کی روایتوں کے مطابق حضرت علیؑ نے خود سے عہد کیا کہ نماز کے علاوہ وہ اپنے دوش پر عبا نہیں رکھیں گے، جب تک کہ وہ قرآن مجید کو جمع نہ کرلیں، اور جب تک آپؑ نے یہ عزم مکمل نہیں کیا، لوگوں سے دور رہے یہاں تک کہ قرآن کو جمع کرلیا۔

مناقب ہی میں ابن شہر آشوب نقل کرتے ہیں: حدیث وتفسیر میں اہل سنت کے امام شیرازی اپنی تفسیر میں اور ابو یوسف یعقوب اپنی تفسیر میں قول خداوند" ان علینا جمعه و قرآنه" (سورة القیامة، الآیة: 17.) کے ذیل میں ابن عباس کی روایت نقل کرتے ہیں کہ اللہ نے اپنے رسول کو یہ اطمینان دیا کہ ان کے بعد قرآن مجید کی تدوین حضرت علی ابن ابی طالبؑ کریں گے۔ ابن عباس کہتے ہیں: اللہ نے قلب علیؑ پر مکمل قرآن کا الہام کیا اور حضرت علیؑ نے رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد چھ مہینوں میں قرآن کو جمع کیا۔

ابی رافع سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے وفات سے قبل بیماری کے دوران حضرت علیؑ سے فرمایا: اے علی! یہ اللہ کی کتاب ہے اسے اپنے پاس رکھو، حضرت علیؑ نے

تمام نوشتوں کو ایک کپڑے سے لپیٹا اپنے ساتھ لے گئے اور رسول خدا ﷺ اس دنیا سے تشریف لے گئے تو حضرت علی علیہ السلام نے نزول کی ترتیب کے اعتبار سے انہیں جمع کیا اور علی علیہ السلام کو اس کا مکمل علم تھا۔

ابن شہر آشوب کہتے ہیں کہ ابو علا عطار اور موفق خطیب خوارزمی نے اپنی کتابوں میں علی ابن ارباح سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی علیہ السلام کو قرآن جمع کرنے کا حکم دیا اور انہوں نے اسے لکھ کر اس کی جمع آوری کی۔

ابن شہر آشوب "المعالم" میں کہتے ہیں: حق یہ ہے کہ اسلام میں سب سے پہلے اللہ جل جلالہ کی کتاب کی تدوین حضرت علیؑ نے کی ہے۔

ابن منادی سے روایت ہے کہ حضرت علیؑ نے تین روز تک اپنے گھر میں بیٹھ کر قرآن کو جمع کیا اور یہ اسلام کی سب سے پہلی مصحف ہے جسے علیؑ نے اپنے حافظہ سے جمع کیا۔
(أعیان الشیعہ، السید محسن الأمین، ج7،ص345-346.)

امام باقر علیہ السلام فرماتے ہیں: جھوٹا ہے وہ شخص جو یہ دعوا کرے کہ اس نے پورا قرآن جمع کیا ہے۔ حضرت علی علیہ السلام اور ان کے بعد اماموں کے سوا قرآن کو اس طرح جیسا کہ اللہ تبارک وتعالی نے نازل کیا ہے، کسی نے بھی جمع نہیں کیا۔

(أصول الكافي، الشيخ الكليني، ج1، ص284، رقم1)

بعض روایات کے مطابق حضرت علی علیہ السلام نے رسول اکرم ﷺ کی زندگی میں ہی قرآن مجید کو جمع کیا تھا اور آنحضرتؐ کی وفات کے بعد ترتیب نزول کے اعتبار سے جمع کیا تھا۔

سب اس بات پر متفق ہیں،" جیسا کہ ابن ابی الحدید" کہتے ہیں کہ حضرت علیؑ رسول اللہؐ کی حیات میں قرآن کو حفظ کرتے تھے اور ان کے سوا کوئی بھی حفظ نہیں کرتا تھا۔ اور آپؑ

ہی ہیں جس نے سب سے پہلے قرآن مجید کو جمع کیا ہے۔سب نے یہ نقل کیا ہے کہ حضرت علیؑ نے ابو بکر کی بیعت میں تاخیر کی ہے اور اہل حدیث کی رائے شیعوں کی رائے کے مخالف ہے کیونکہ شیعہ کہتے ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام نے تاخیر اس لئے کی کیونکہ وہ قرآن مجید کی تدوین و جمع آوری میں مشغول تھے (یہ رائے ابن ابی الحدید کی ہے اور شیعوں کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے کیونکہ ہم شیعوں کے عقیدہ کے مطابق حضرت علی علیہ السلام نے کبھی بھی خلفاء ثلاثہ کو خلیفہ برحق تسلیم ہی نہیں کیا تھا۔اور البتہ ضرورت کے پیش نظر اور اسلام کی بقاو حیات کے لئے آپ دربار میں بھی جاتے تھے اور اپنے قیمتی و مفید مشورہ بھی دیتے تھے، تاکہ اس طرح اسلام کا تحفظ کر سکیں۔لہذا ان تعبیروں سے ہرگز غلط فہمی نہیں ہونی چاہیئے کہ ہم شیعوں کا ایسا کوئی عقیدہ ہے) اور یہ دلیل ہے کہ سب سے پہلے قرآن کی جمع آوری انہوں کی ہے، کیونکہ قرآن اگر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں جمع ہوا ہوتا تو ہرگز آنحضرتؐ کی وفات کے بعد تدوین کی ضرورت نہ ہوتی۔اور قرائتوں کی کتابوں کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ ابو عمرو علاء، عاصم ابن ابی النخود وغیرہ جیسے ائمہ قرائت کا مرجع حضرت علیؑ ہی ہیں کیونکہ ان تمام ائمہ قرائت کا مرجع قاری ابی عبدی الرحمن سلمی ہیں اور ابو عبد الرحمن سلمی نے فن قرائت حضرت علیؑ سے سیکھا ہے اور اس طرح فن قرائت بھی ان فنون میں سے ہے جن کی بازگشت حضرت علیؑ پر ہوتی ہے۔

(شرح نهج البلاغة، ابن أبي الحديد، ج1، ص 43-44.)

اور ابن شہر آشوب مناقب لکھتے ہیں:

فن قرائت میں قرّائے سبعہ کا مرجع آپؑ (علی مرتضی علیہ السلام) ہی ہیں۔چنانچہ حمزہ اور کسائی نے اپنی قرائت حضرت علیؑ اور ابن مسعود کی قرائت کے مطابق رکھی ہے،

البتہ ان دونوں کی مصحف ابن مسعود کے مصحف کے مطابق نہیں ہے، بلکہ ان کے مصحف کا مرجع حضرت علیؑ ہیں اور ابن مسعود کی مصحف سے صرف اعراب کی مطابقت کی ہے۔ اور ابن مسعود خود کہتے ہیں کہ میں نے علی بن ابی طالبؑ سے بہتر کوئی قاریٔ قرآن نہیں پایا۔

اور نافع، ابن کثیر اور اَبوعمرو کی قرائت میں بیشتر حصوں کا مرجع ابن عباس ہیں اور ابن عباس نے فن قرائت ابی بن کعب اور حضرت علیؑ سے سیکھا ہے۔ اور ان قاریوں کی قرائت ابی بن کعب کی قرائت سے مختلف نہیں ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کی قرائت کا مرجع حضرت علیؑ ہی ہیں۔

اور عاصم نے فن قرائت ابی عبدالرحمن سلمی سے سیکھا ہے اور اَبوعبدالرحمن کہتے ہیں کہ میں نے پورا قرآن حضرت علی بن ابی طالبؑ کی خدمت میں پڑھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ماہرین فن قرائت کا کہنا ہے کہ سب سے فصیح قرائت عاصم کی ہے کیونکہ انہوں نے نزول کے مطابق قرائت کی ہے اور جن جگہوں پر دوسرے قاریوں نے ادغام کیا، عاصم نے ان جگہوں پر اظہار کیا ہے اور دوسرے قاریوں نے جن جگہوں پر ہمزہ کی ترقیق کی ہے انہوں نے اسے ظاہر کر کے پڑھا ہے اور جن الف کو دوسرے قاریوں نے امالہ کی شکل میں ادا کیا ہے عاصم نے فتحہ کی شکل میں ادا کیا ہے اور قرآن مجید (کی آیات) کا کوفی عدد حضرت علیؑ سے ہی منسوب ہے اور صحابہ میں ان کے سوا کوئی بھی اس عدد کا قائل نہیں ہے۔

(المناقب، ابن شهر آشوب، ج2، ص 52.)

لہذا ان تمام باتوں سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ حضرت علیؑ نے سب سے پہلے قرآن مجید کی تدوین کی ہے اور آپ پورے قرآن کے حافظ تھے اور قراء سبعہ کا مرجع بھی امام علیؑ ہی ہیں۔

۶۔ نبی اکرم ﷺ کی سب پہلے بیعت:

مورخین نے لکھا ہے کہ سب سے پہلے نبی اکرم ﷺ کی بیعت اوران کی نصرت کا اعلان حضرت علیؑ نے کیا ہے۔ ابو بکر شیرازی نے اپنی کتاب میں جناب جابر انصاری سے روایت کی ہے کہ سب سے پہلے بیعت امیر المومنین (حضرت علی) علیہ السلام نے کی اس کے بعد أبوسنان عبداللہ بن وہب اسدی اور ان کے بعد جناب سلمان فارسی نے کی ہے اور لیث کی روایت کے مطابق حضرت علیؑ کے بعد، سب سے پہلے بیعت جناب عمار کی تھی۔ اور تمام مسلمانوں پر برتری حضرت علی علیہ السلام کو آیہ شریفہ "إِنَّ اللّهَ اشْتَرَى مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الجَنَّةَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ وَعْداً عَلَيْهِ حَقّاً فِي التَّوْرَاةِ وَالإِنجِيلِ وَالْقُرْآنِ" (سورة التوبة: الآية: 111.) کے ذریعہ حاصل ہے کیونکہ اس آیت میں اللہ نے بیعت کے جن آثار ونتائج کو بیان کیا ہے وہ بس حضرت علیؑ پر منطبق ہوتے ہیں۔

تمام راویوں نے جناب جابر سے روایت کی ہے، وہ فرماتے ہیں: ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھوں پر مرتے دم تک کی بیعت کی ہے۔ نسوی کی کتاب معرفت میں ہے کہ سلمہ بن اکوع سے پوچھا گیا کہ درخت کے نیچے آپ لوگوں نے کس طرح کی بیعت کی تھی؟

انہوں نے جواب دیا: مرتے دم تک ساتھ دینے کی۔

بصریوں سے روایت ہے کہ احمد بن یسار کہتے ہیں: حدیبیہ میں رسول خدا کے دست مبارک پر بیعت کرنے والوں نے کبھی میدان نہ چھوڑنے کا وعدہ کیا تھا، اور صحیح روایات سے ثابت ہے کہ حضرت علیؑ ہر میدان میں ثابت قدم رہے لیکن دوسروں نے ایسا

نہیں کیا۔اس کے علاوہ اللہ نے آیت میں صرف صاحبان ایمان کے لئے اپنی خوشنودی کو نازل کیا ہے اور جبکہ ابن ابی اوفی کے مطابق بیعت کرنے والے ایک ہزار تین سو تھے، جناب جابر کے مطابق ایک ہزار چارسو تھے، ابن مسیب کے مطابق ایک ہزار پانچ سو تھے اور جناب ابن عباس کے مطابق ایک ہزار چھ سولوگوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی تھی، اوراس میں بھی کوئی شک نہیں ہے کہ ان کے درمیان جب بن قیس، عبداللہ بن ابی سلول جیسے منافقین بھی تھے اور اللہ نے بھی مومنین پر اپنی رضاوخوشنودی کو آیت میں شرطوں کے ساتھ بیان کیا ہے: جیسے کہ فرمایا ہے" فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ "(سورۃ الفتح، الآیۃ: 18)

سدی اور مجاہد کہتے ہیں: وہ شخص جو سب سے پہلے اللہ کی بیعت کے بعد راضی ہوا وہ حضرت علیؑ ہیں کیونکہ اللہ کو ان کے دل کی صداقت ووفاداری کا علم تھا۔

(المناقب، ابن شہر آشوب، ج2، ص 28 - 29)

۷۔ سب سے پہلے وصی کا خطاب

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلام کے پہلے دن ہی سے حضرت علی علیہ السلام کو اپنے وصی ہونے کا خطاب دیا۔ اس دن جب آپ نے اپنے قریبی رشتہ داروں کو دعوت اسلام دی تھی۔ آنحضرتؐ نے اپنے رشتہ داروں کے سامنے حضرت علیؑ کے ہاتھوں کو پکڑ کر فرمایا تھا:

یہ میرا بھائی، میرا وصی، میرا وزیر اور تمہارے درمیان میرا جانشین ہے، اس کی باتوں کی سنو اور اس کی اطاعت کرو۔ (الأمالی، الشیخ الطوسی، مؤسسة التاریخ العربی، بیروت، الطبعة الأولی 1430ھ- 2009م، ص 447، رقم 1206)

حضرت علی علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصی اور جانشین تھے۔ آنحضرتؐ نے اپنے اصحاب کو ایک دوسرے کا بھائی بنایا لیکن حضرت علیؑ کو کسی کا بھائی نہیں بنایا۔ جب حضرت علیؑ نے کہا کہ اے رسول اللہ میں اکیلا ہی ہوں مجھے کسی کا بھائی نہیں بنایا تو آپؐ نے فرمایا:

میں نے تمہیں اپنے لئے روک رکھا ہے، تم دنیا اور آخرت دونوں میں میرے بھائی ہو۔ تم میرے وصی، میرے بعد میرے جانشین اور میرے اہل بیت کی باقیماندہ بہترین نشانی ہو، تمہاری نسبت مجھ سے ہارون کی موسی جیسی ہے بس میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔

(المناقب و المثالب، القاضی المغربی، مؤسسة الأعلمی، بیروت، الطبعة الأولی 1423ھ- 2002م، ص 207)

یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بار بار کہا کرتے تھے اور اپنے قول و فعل اور اپنے رویہ کے ذریعہ مسلسل اس حقیقت کی تاکید کیا کرتے تھے، اور بے شمار حدیثیں بھی اس بات کی تائید میں موجود ہیں۔ لہذا سب سے پہلے وصیٔ رسولؐ کا لقب حضرت علیؑ کو ملا اور خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپؑ کو اس لقب سے نوازا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت امام علی علیہ السلام کو خلافت و وصی رسول

ہونے کا منصب اللہ کے حکم سے ملا ہے، جیسا کہ قرآن مجید کی اس آیہ مبارکہ میں اشارہ ہوا ہے: "يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ وَإِن لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ " (سورة المائدة، الآية: 67) کیونکہ حضرت علیؑ امامت وقیادت کے تمام شرائط رکھتے تھے اور عصمت، علم وکمال وغیرہ جیسی وہ تمام صفات وکمالات آپؑ میں موجود تھے جو ایک واجب الاطاعت امام میں ہونا چاہئیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غدیر خم کے مشہور واقعہ میں، اپنے بعد اپنے جانشین کا اعلان بھی کر دیا تھا۔

واقعہ غدیر خم ایک ایسی حقیقت ہے، جس میں نہ کسی شک کی گنجائش ہے اور نہ اس کا انکار ممکن ہے۔ شیعہ اور سنی دونوں ہی فرقوں کے محدثین نقل کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غدیر خم میں فرمایا تھا: " من كنت مولاه فعلي مولاه، اللهم وال من والاه، وعاد من عاداه، وانصر من نصره، واخذل من خذله، وأدر الحق معه حيث دار " (دعائم الإسلام، القاضي المغربي، ج1، ص 20.أول من أسلمأول من أسلم)' میں جس کا مولا ہوں علیؑ بھی اس کے مولا ہیں، اے اللہ تو اسے دوست رکھ جو علیؑ کو دوست رکھے، اور جو علیؑ سے عداوت رکھے، تو اس سے عداوت رکھ، اس کی نصرت کر جو علیؑ کی مدد کرے اور جو علیؑ کو خوار کرے تو اسے رسوا کر اور جس طرف علیؑ جائیں حق کو اسی سمت موڑ دے۔

علامہ امینی اپنی عظیم کتاب" الغدیر فی الکتاب، والسنۃ والادب" میں فرماتے ہیں کہ حدیث غدیر کو ایک سو دس صحابی، چوراسی تابعین نے نقل کیا ہے اور تین سو ساٹھ علماء اور محدثین نے نقل کیا ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کہ حدیث غدیر ایک معتبر اور متواتر روایت ہے۔ چنانچہ یہ روایت صحت، تواتر اور سند کے اعتبار سے اس مقام پر ہے کہ کوئی اس کا انکار نہیں کر سکتا۔

۸۔ اسلام میں سب سے پہلے امام

اسلام میں سب سے پہلے جس کو امام کا لقب ملا وہ حضرت علی علیہ السلام ہیں۔ اس مقام پر امام سے مراد قیادت و سربراہی ہے جس میں تمام مسلمانوں پر ان کے قول و فعل کی اتباع واجب ہے اور یہ امامت وہی خلافت و جانشینی پیغمبرؐ ہے۔ لہذا حضرت علیؑ بعد پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسلمانوں کے سربراہ اور امام ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کے لئے امام کا لفظ اپنی وفات سے قبل، اس وقت استعمال کیا جب آپؐ نے ان کے کچھ واضح صفات و کمالات کی طرف اشارہ فرمایا

شعبی کہتے ہیں حضرت علیؑ کا بیان ہے کہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے آتا ہوا دیکھ کر فرمایا: مرحبا اے مسلمانوں کے سردار اور پرہیزگاروں کے امام۔

(المناقب، ابن شهر آشوب، ج 3، ص 19، واليقين، ابن طاووس، مؤسسة دار الكتاب، قم، الطبعة الأولى عام 1413هـ، ص 471)

عبداللہ بن زرارہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے: علیؑ کے فضل میں مجھ پر تین باتیں نازل ہوئی ہیں؛ وہ مسلمانوں کے سید و سربراہ، پرہیزگاروں کے امام اور غیر تمندوں کے رہبر ہیں۔ (مناقب علي بن أبي طالب، الأصفهاني، ص 58، رقم 20.)

اور بعض مقام پر آپؐ نے حضرت علیؑ کو نیکو کاروں کا امام کہا ہے۔ جناب جابر سے روایت ہے کہ: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کے ہاتھوں کو تھام کر فرمایا: یہ نیکو کاروں کے امام اور فاجروں سے جنگ کرنے والے ہیں۔ جس نے ان کی مخالفت کی وہ ذلیل ہے اور جس نے ان کی نصرت کی، اللہ اس کی مدد کرے گا۔

(ينابيع المودة، القندوزي، ج 2، ص 214، والمستدرك على الصحيحين، ج 3، ص 140، رقم 4644)

۹۔ سب سے پہلے امیر المومنین

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زندگی ہی میں حضرت علی علیہ السلام کو امیر المومنین کے لقب سے نوازا تھا۔ سب سے پہلے آپؑ اس لقب کی زینت بنے، چنانچہ اگر کہیں امیر المومنین کا لفظ استعمال ہو تو اس کا مفہوم صرف حضرت علیؑ ہی ہوں گے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے کہ آپؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا: آپ مسلمانوں کے امام، مومنین کے امیر، تمام تابندہ پیشانی والوں کے قائد، میرے بعد تمام مخلوقات پر خدا کی حجت، تمام وصیوں کے سربراہ اور تمام نبیوں کے سید و سردار کے وصی و جانشین ہیں۔

(التحصين، ابن طاووس، مؤسسة دار الكتاب للطباعة والنشر، قم، الطبعة الأولى 1413ھ، ص 563)

نیز حضرت علی علیہ السلام کے سلسلہ میں آپؐ فرماتے ہیں: وہ {علیؑ} تمام مسلمانوں کے امام، مومنین کے امیر، اور میرے بعد ان سب کے مولا و حاکم ہیں۔

(بحار الأنوار، العلامة المجلسي، ج8، ص 22، رقم 14.)

انس بن مالک کے سلسلہ میں روایت کی گئی ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مجھے وضوء کے لئے پانی دو، چنانچہ آپؐ نے وضو کیا اور دو رکعت نماز ادا کی اور پھر فرمایا: اے انس اس دروازہ سے سب سے پہلے داخل ہونے والے سارے مومنین کے امیر، اور تمام تابندہ پیشانی والوں کے امام اور سارے مومنوں کے سردار علیؑ ہو گے۔

علاء بن مسیب، ابی داوود اور بریدہ اسلمی سے روایت ہے وہ کہتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم لوگوں کو حکم دیا کہ ہم حضرت علیؑ کو امیر المومنین کہہ کر سلام کریں اور اس وقت، وہاں ہم سات لوگ تھے جن میں سب چھوٹا میں تھا۔

(تاريخ دمشق، ابن عساكر، دار الفكر، بيروت، طبع عام 1415ھ، ج42،

ص 303. لسان الميزان، ابن حجر، مؤسسة الأعلمي، بيروت، الطبعة الثانية 1390هـ-1971م، ج 1، ص 107)

اور بحار الانوار میں روایت اس سے بھی زیادہ تفصیلی ہے، چنانچہ انس کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا؛ اے انس میرے لئے وضو کا پانی بھر لاؤ اور پھر آپؐ نے دو رکعت نماز ادا کی اور فرمایا: اے انس، ابھی اس دروازہ سے داخل ہونے والا پہلا انسان امیر المومنین، مسلمانوں کا سردار، درخشاں جبینوں کا سربراہ اور وصیوں کی آخری کڑی ہے۔

انس کہتے ہیں: میں نے دل میں کہا اے اللہ وہ کوئی انصار ہی میں سے ہو، اور جب علی علیہ السلام آئے تو میں نے آنحضرتؐ سے چھپایا۔

رسول اللہؐ نے جب پوچھا کہ کون ہے تو میں نے کہا: علیؑ ہیں، یہ سن کر رسول اکرمؐ مسکراتے ہوئے کھڑے ہوئے اور انہیں گلے سے لگا کر ان کے چہرے کے پسینہ کو اپنے چہرے اور اپنے چہرے کے پسینہ کو علیؑ کے چہرے پر لگانے لگے۔

علی علیہ السلام نے کہا اے اللہ کے نبی: آج جو آپؐ نے میرے ساتھ کیا، ایسا آپؐ نے کبھی بھی نہیں کیا۔

آپؐ نے فرمایا: میں ایسا کیوں نہ کروں جبکہ تم میرے امین، لوگوں کو میرا پیغام پہنچانے والے اور میرے بعد امت کی گرہ گشائی کرنے والے ہو۔

(بحار الأنوار، العلامة المجلسي، ج 40، ص 15، رقم 30)

رسول اکرم ﷺ بس لقب سے نوازنے کی حد تک محدود نہ رہے بلکہ اپنے صحابہ کو حکم دیا کہ حضرت علیؑ کو امیر المومنین کہہ کر سلام کریں۔ چنانچہ حذیفہ بن یمان کے غلام سالم سے روایت ہے کہ: نبی اکرم ﷺ نے ہم لوگوں کو حکم دیا کہ ہم علی ابن ابی طالبؑ کو "امیر المومنین ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" کے خطاب سے سلام کیا کریں۔

(مناقب علي بن أبي طالب، الأصفهاني، ص 55، رقم 12.)

۱۰۔ سب سے پہلے فداکار

حضرت امام علی علیہ السلام اسلام کے سب سے پہلے فدا کار ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب سے زیادہ محاذوں میں صف اول پر آپؑ ہی کو رکھا ہے، جن میں سب سے زیادہ مشہور و معروف معرکہ شب ہجرت کا ہے، جس وقت مشرکین مکہ آنحضرتؐ کو جان سے مارنا چاہتے تھے اور آپؐ کو جب معلوم ہوا تو آپؐ نے حضرت علیؑ کو اپنے بستر پر سونے کا حکم دیا اور حضرت علیؑ نے بھی ذرہ برابر دریغ نہ کیا اور خود کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر فدا کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔

یہ واقعہ تاریخ و حدیث کی متعدد کتابوں میں درج ہے۔ چنانچہ ابن ہشام سیرت النبیؐ میں لکھتے ہیں: ابو جہل بن ہشام نے قریش سے کہا کہ میرے پاس محمد کے (ختم کرنے کے) سلسلہ میں ایک رائے ہے میں پیش کر رہا ہوں، تم سب اس پر منظوری دو، سب نے کہا: وہ رائے کیا ہے اے اَبا حکم؟

وہ کہتا ہے: میری رائے یہ ہے کہ ہم ہر قبیلہ سے ایک مضبوط، شاختہ شدہ اور معروف جوان تیار کریں اور پھر ہر ایک ہاتھ میں تیز دھار والی تلوار دیں اور وہ ان پر حملہ کریں اور سب ایک ساتھ وار کریں۔ اس طرح وہ انھیں قتل کر دیں گے اور ہم ان سے نجات پا لیں گے۔ چنانچہ اگر مختلف قبیلوں کے جوانوں نے مل کر محمدؐ کو مارا تو تمام قبیلوں کے لوگ ان کے قتل کے ذمہ دار ہوں اور بنی عبد مناف ان تمام قبیلوں سے مقابلہ نہیں کر پائیں گے، اور نتیجہ میں وہ ہم سے خون بہا لینے پر راضی ہو جائیں گے اور ہم خون بہا دے دیں گے۔

ابن ہشام کہتے ہیں: کہ ایک نجدی سن رسیدہ شخص نے کہا کہ اس آدمی کی رائے بالکل صحیح ہے اور اس سے بہتر کوئی رائے نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ لوگ اس فیصلہ کے بعد وہاں

سے چلے گئے۔

وہ کہتے ہیں: اس کے بعد جناب جبرائیل رسول اکرم ﷺ کے پاس تشریف لائے اور کہا: جس بستر پر آپؐ ہر روز رات میں آرام کرتے ہیں، آج اس پر نہ سوئیے۔

ابن ہشام کہتے ہیں: جب رات کا اندھیرا چھایا تو قریش رسول اکرم ﷺ کے دروازہ کے پاس جمع ہوکر اس انتظار میں تھے کہ کب وہ اپنے بستر پر جائیں اور یہ لوگ ان پر حملہ آور ہو جائیں۔ رسول اکرم ﷺ نے انہیں دیکھ کر حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام سے کہا: میرے بستر پر سو جائیں، اور میری یہ سبز حضرمی چادر اوڑھ لیں، کوئی بھی ناگوار حادثہ ان کی طرف سے آپؑ سے نزدیک نہیں ہوگا۔ اور یہ وہ چادر تھی جسے رسول خدا ﷺ اوڑھ کر سویا کرتے تھے۔

ابن اسحاق کہتے ہیں: یزید بن زیاد نے مجھ سے محمد بن کعب کی روایت بیان کی ہے؛ وہ کہتے ہیں جب قریش جمع ہوئے ان میں ابو جہل بن ہشام بھی تھا۔ ابو جہل نے رسول اللہ ﷺ کے دروازہ پر ان لوگوں سے کہا؛ محمدؐ کا یہ خیال ہے کہ اگر تم سب ان کی پیروی کرو تو عرب و عجم کی بادشاہی تمہارے پاس ہوگی اور مرنے کے بعد دوبارہ مبعوث کئے جاؤ گے اور اردن کے باغات کی طرح تمہارے بھی باغات ہوں گے اور اگر تم نے ایسا نہیں کہا تو تم مارے جاؤ گے اور پھر موت کے بعد دوبارہ مبعوث کئے جاؤ گے اور جہنم کی آگ میں ڈال دئے جاؤ گے اور وہاں جلو بھنو گے۔

ابن اسحاق کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ ان کے سامنے سے نکلے اور آپؐ کی مٹھی میں مٹی کا ڈھیر تھا، آپؐ نے فرمایا: "ہاں" میں یہ کہتا ہوں اور تو ان میں سے ایک ہوگا۔ اور اللہ نے ان کی آنکھوں پر ایسے پردے ڈالے کہ وہ آنحضرتؐ کو دیکھ ہی نہیں پائے اور آپؐ ان

کے سامنے سے ان کے سروں پر خاک ڈالتے ہوئے سورہ یس کی یہ آیات پڑھتے ہوئے نکل گئے: " یس * وَالْقُرْآنِ الْحَكِيمِ * إِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ * عَلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ * تَنزِيلَ الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ }(سورة يس: الآيات: 1-5) إلى قوله:{وَجَعَلْنَا مِن بَيْنِ أَيْدِيهِمْ سَدّاً وَمِنْ خَلْفِهِمْ سَدّاً فَأَغْشَيْنَاهُمْ فَهُمْ لاَ يُبْصِرُونَ "(سورة يس، الآية: 9.) ۔ان میں کوئی ایسا نہ تھا کہ جس کے سر پر آپؐ نے خاک نہ ڈالی ہو، اور پھر اپنی منزل کی طرف نکل پڑے۔

اسی اثنا میں ایک شخص دروازہ پر جمع لوگوں سے آ کر پوچھتا ہے کہ یہاں کس کا انتظار کر رہے ہو؟

سبھوں نے جواب دیا: ہم محمدؐ کا انتظار کر رہے ہیں۔

وہ شخص کہتا ہے: قسم بخدا محمدؐ تمہارے خوابوں پر پانی پھیر گئے اور تم میں سے ہر ایک کے سر پر خاک ڈال کر چلے گئے ہیں۔ دیکھو تم سب کس غفلت میں ہو؟

ابن اسحاق کہتے ہیں: پھر ایک ایک نے اپنے سر پر ہاتھ پھیرا تو سر پر خاک پائی اور جب گھر کے اندر پہنچے تو بستر پر حضرت علی علیہ السلام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چادر اوڑھ کر سوتا دیکھ کر، کہا: خدا کی قسم یہ محمدؐ ہی ہیں جو اپنی چادر اوڑھ کر سو رہے ہیں اور اس طرح انہوں نے پوری رات پہرا دیا۔ صبح کے وقت جب بستر سے حضرت علیؑ اٹھے تو تعجب سے کہا: خدا کی قسم وہ شخص ٹھیک کہہ رہا تھا۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ اس رات قریش کے مکر و فریب کو ظاہر کرتے ہوئے اللہ نے یہ آیات نازل فرمائیں؛ " وَإِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِينَ كَفَرُواْ لِيُثْبِتُوكَ أَوْ يَقْتُلُوكَ أَوْ يُخْرِجُوكَ وَيَمْكُرُونَ وَيَمْكُرُ اللّهُ وَاللّهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ "

(سورۃ الأنفال، الآیۃ: 30)۔

نیز ارشاد فرمایا: " أَمْ يَقُولُونَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهِ رَيْبَ الْمَنُونِ * قُلْ تَرَبَّصُوا فَإِنِّي مَعَكُم مِّنَ الْمُتَرَبِّصِينَ "

(سورۃ الطور، الآیتان: 30-31)

ابن اسحاق کہتے ہیں: اور اس کے بعد اللہ نے اپنے نبیؐ کو ہجرت کی اجازت دی۔

(السیرۃ النبویۃ، ابن ھشام، ج 2، ص 108-110، وتاریخ الطبری، ج 2، ص 99، والبدایۃ والنھایۃ، ابن کثیر، ج 3، ص 216. وعیون الأثر، ابن سید الناس، مؤسسۃ عز الدین، بیروت، طبع عام 1409ھ-1986م، ج 1، ص 234. وسبیل الھدی والرشاد، الصالحی الشامی، ج 3، ص 232)

ایثار و فدا کاری اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جانثاری کی دوسری نمایاں مثال شعب ابی طالبؑ ہے۔ جب قریش نے بنی عبد المطلب کا سماجی بائیکاٹ کیا اور مسلمان شعب ابی طالبؑ میں رہنے لگے تو ہر روز رات کو حضرت علیؑ اپنے والد کے کہنے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بستر پر سوتے تھے۔

ایثار و فدا کاری اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جانثاری کی ایک اور مثال رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دین اسلام کا دفاع و حفاظت ہے۔ لہذا حضرت علی علیہ السلام ہی اسلام میں پہلے فدا کار و جانثار ہیں۔

۱۱۔ راہ خدا میں سب سے پہلے مجاہد

اصحاب پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان راہ خدا میں جہاد و فدا کاری کرنے میں سب سے زیادہ نمایاں شخص حضرت علیؑ، اسد اللہ حمزہ بن عبد المطلب، جعفر بن ابی طالب، عبیدہ بن حارث بن عبد المطلب، زبیر بن عوام وغیرہ تھے۔

لیکن ان میں سب سے نمایاں اور سر فہرست کاشف کرب پیغمبرؐ، تمام جنگوں میں پیش پیش رہنے والے، ہر میدان میں تائید خدا کے حامل، کسی بھی معرکہ سے فرار نہ کرنے والے اور ایک ہی ضربت میں دشمن کا قلع قمع کرنے والے حضرت امام علی علیہ السلام ہیں جنکو دشمن پر دوسرے وار کی ضرورت ہی پیش نہیں آتی تھی۔

آپ کی شجاعت تو ایسی تھی کہ جسے دیکھ کر لوگ تمام سورماؤں کو بھول گئے اور نہ ہی آپ کے بعد اب کسی جنگجو کو یاد رکھیں گے۔ میدان جنگ میں آپ کی بہادری اس قدر مشہور ہے کہ قیامت تک اس کی مثالیں دی جائیں گی۔ آپؑ وہ بہادر ہیں جس نے کبھی بھی میدان سے فرار نہیں کیا اور نہ ہی کسی سے دھونس کھائی، اور جب بھی کوئی دشمن سامنے آیا اسے زیر کیا اور کبھی بھی پہلی ضربت کے بعد دوسری کی ضرورت نہیں پڑی، جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ" ان کی ضربتیں ایک ہی ہوا کرتی تھیں"

(بحار الأنوار، العلامة المجلسي، ج 41، ص 143)

تمام مورخین کا اتفاق ہے کہ معرکہ بدر کے سب سے اول درجہ کے مجاہد حضرت امام علیؑ ہیں، جنہوں نے ولید بن عتبہ اور بدر میں مارے جانے والے آدھے مشرکین کو خود تہہ تیغ کیا تھا۔

ابن ابی الحدید کہتے ہیں: راہ خدا میں علیؑ کا جہاد دوست و دشمن، سب ہی پر عیاں ہے، وہ مجاہدوں کے سردار ہیں اور ان کے سوا کسی نے بھی جہاد کا حق ادا نہیں کیا۔ اور میری نظر میں رسول اللہؐ کے غزوات میں سب سے عظیم اور مشرکین پر سب سے سخت گزرنے والا معرکہ جنگ بدر کا تھا، جس میں ۷۰ مشرکین فی النار ہوئے تھے اور ان میں آدھے دشمنوں کا کام حضرت علیؑ نے ہی تمام کیا تھا اور بقیہ نصف کو مسلمانوں اور فرشتوں نے قتل کیا تھا۔ اس سلسلہ میں محمد بن عمر واقدی کی کتاب مغازی اور یحیی بن جابر بلاذری کی تاریخ اشراف و دیگر کتب کے مطالعہ سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے۔ اور یہاں بدر کے علاوہ احد، خندق وغیرہ میں آپؑ نے جن کو واصل جہنم کیا ان کا تو شمار ہی نہیں ہے۔ اور اس حقیقت پر اس سے زیادہ اور کچھ لکھنا ضروری بھی نہیں ہے کیونکہ اس کی سچائی کی مثال ایسی ہی ہے جیسے شہر مکہ و مصر وغیرہ کے وجود کا علم۔ جس طرح کوئی ان کا انکار نہیں کرسکتا، اسی طرح اس حقیقت کا بھی انکار ناممکن ہے۔ (شرح نھج البلاغة، ج1، ص 41)

۱۲۔ اسلام کے سب سے پہلے قاضی

رسول اللہ ﷺ نے تین قاضی مقرر کئے اور کبھی بھی ان کے علاوہ کسی اور کو قاضی نہیں بنایا۔ ان تینوں میں سب پہلے قاضی حضرت امام علی علیہ السلام ہیں۔ امام علیؑ اس سلسلہ میں فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے مجھے جب قاضی بنایا تو میں نے کہا: اے اللہ کے نبی! آپ مجھے ایسے لوگوں کے درمیان بھیج رہے ہیں جو مجھ سے عمر میں بڑے ہیں اور میں کم عمر ہوں، مجھے قضاوت بھی نہیں آتی؟ (امام کو خداوند عالم تمام علوم عطا کرتا ہے اور وہ علم لدنی کی بنیاد پر تمام چیزوں سے آگاہ و آشنا ہوتا ہے۔ یہاں اس تعبیر کا مفہوم یہ ہوگا کہ گویا امام علی علیہ السلام فرمانا چاہتے ہیں کہ میں نے تمام علوم کی طرح فن قضاوت بھی اپنے استاد رسول خدا ﷺ سے حاصل کیا ہے۔ ایسی تعبیریں اس کتاب میں جہاں بھی آئیں، اس کا یہ مفہوم ہوگا۔ اور ایک امام اپنے سے پہلے والے امام یا رسول اکرم ﷺ اور یا پھر خدا کے سامنے اپنے آپ کو کم علم ظاہر کرسکتا ہے)

رسول اللہ ﷺ نے میرے سینہ پر اپنا ہاتھ پھیرا اور فرمایا: اللہ تمہیں ثابت قدم رکھے اور تمہارا مددگار ہو اور جب کبھی بھی تمہارے پاس دو لوگ اپنا مدعا لیکر آئیں تو جب تک تم دوسرے فریق کا مدعا نہ سن لینا، اس وقت تک فیصلہ نہ کرنا، حقیقت کا صحیح فیصلہ کرنے کے لئے یہ تم پر ضروری ہے۔

امام علیؑ فرماتے ہیں: اس کے بعد میں ہمیشہ قاضی رہا۔

(غایۃ المرام، السید ہاشم البحرانی، ج 5، ص 252)

کنز العمال میں حضرت علیؑ سے روایت ہے، آپ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے مجھے یمن بھیجا تا کہ میں ان کے درمیان قضاوت کروں، میں نے آنحضرتؐ سے عرض کیا: اے اللہ کے نبی!: آپ مجھے قضاوت کے لئے بھیج رہے ہیں، جبکہ میں جوان ہوں اور

مجھے قضاوت سے بھی سابقہ نہیں ۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے سینہ پر اپنا ہاتھ پھیرا اور فرمایا: بار الہ اس کے قلب کو ہدایت اور اس کی زبان کو حق گوئی عطا کر۔اس کے بعد سے آج تک قضاوت میں مجھے کبھی شبہہ نہیں ہوا۔

(کنز العمال، ج13، ص120 ،رقم36386)

عمرو بن مرہ سے روایت ہے کہ ابوبختری کہتے ہیں: ایک شخص نے خود حضرت علیؑ سے سنا ہے وہ بیان کرتا ہے کہ حضرت علیؑ فرمار ہے تھے: جب اللہ کے نبی نے مجھے یمن کا قاضی بنایا تو میں نے کہا؛ اے اللہ کے نبی! آپؐ نے مجھے یہ عہدہ دیا ہے جبکہ میں ابھی کم سن ہوں اور قضاوت سے بھی آشنا نہیں؟

آپؑ فرماتے ہیں کہ پھر آنحضرتؐ نے میرے سینہ پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا: بے شک اللہ تمہاری زبان کو حق گوئی اور قلب کو ہدایت عطا کرے گا اور اس کے بعد پھر قضاوت میں مجھے کبھی عاجزی کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔

(مناقب علی بن أبی طالب، الأصفهانی، ص90-91، رقم88)

۱۳۔ اسلام کے پہلے پرچم دار

مورخین نے نقل کیا ہے کہ حضرت علیؑ اسلام کے وہ پہلے علمبردار ہیں، جنہوں نے تمام جنگوں اور تمام مقامات پر پرچم اسلام کو سنبھالا ہے، سوائے جنگ تبوک کے، کیونکہ اس جنگ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں مدینہ میں اپنا خلیفہ بنا کر گئے تھے۔

شیخ مفیدؒ فرماتے ہیں: قریش کا علم سب سے پہلے قصی بن کلاب کے ہاتھوں میں تھا اور ان کے بعد عبدالمطلب کے بیٹوں کے ہاتھوں میں پہنچا، جو بھی جنگ میں حاضر ہوتا تھا اسے اپنے ہاتھوں پر بلند کرتا تھا، یہاں تک کہ اللہ کے نبیؐ کی بعثت ہوئی اس کے بعد قریش اور دیگر تمام قبیلوں کے پرچم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھوں میں آ گئے، اور آنحضرتؐ نے انہیں قریش میں باقی رکھا۔ اور یہ پرچم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوہ ودان (غزوہ ابواء بھی کہا جاتا ہے اسے۔ یہ جنگ مقام ابواء میں ہونے والی تھی اور جنگ بدر سے بھی پہلے تھی، لیکن وقوع پذیر نہیں ہوئی اور قبیلہ بنوضمرہ سے وہاں صلح ہوئی اور ودان ابواء سے ۶ میل کے فاصلہ پر تھا، اس لئے اس غزوہ کا نام ودان ہو گیا۔) میں حضرت علی بن ابی طالبؑ کو عطا فرمایا۔ یہ وہ پہلی جنگ ہے جس میں پہلی بار نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اسلام کا پرچم لہرایا اور اس کے بعد ہر مقام پر وہ آپؐ کے ساتھ رہا۔ بدر کے عظیم معرکہ میں، پھر احد میں اور اس وقت پرچم بنی عبدالدار کے ہاتھوں میں تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے مصعب بن عمیر کے ہاتھ میں دیا، مصعب بن عمیر شہید ہو گئے اور پرچم ان کے ہاتھ سے گر گیا اور مختلف قبیلہ کے لوگوں نے اسے حاصل کرنے کی تمنا کی لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پرچم حضرت علی علیہ السلام کے ہاتھوں میں دے دیا اور اس دن سے آج تک پرچم اسلام اور نشان بنی ہاشم

کے ہاتھوں میں ہے۔(ال اِرشاد، الشیخ المفید،ص42)

مفضل بن عبداللہ نے سماک سے اور انہوں نے عکرمہ سے اور انہوں نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ حضرت علیؑ میں چار خصلتیں ایسی ہیں جو کسی میں بھی نہیں ہیں: عرب وعجم میں وہ پہلے شخص ہیں جس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے سب سے پہلے نماز ادا کی، تمام جنگوں میں اسلام کے علمبردار رہے ہیں، وہ علیؑ ہیں جو یوم مہراس یعنی جنگ احد میں تنہا اللہ کے نبیؐ کے ساتھ رہے جب کہ تمام ساتھی فرار کر چکے تھے اور وہ علیؑ ہیں جنھوں نے نبی اکرمؐ کو سپرد خاک کیا ہے۔(ال اِرشاد، الشیخ المفید،ص42)

قتادہ سے روایت ہے کہ حضرت علیؑ جنگ بدر اور دیگر تمام جنگوں میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پرچم دار تھے۔

(الطبقات الکبری، ابن سعد، دار صادر، بیروت، ج3،ص23)

سید جعفر مرتضی عاملی نے چند ایسے دلائل پیش کئے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ تمام جنگوں اور غزوات میں حضرت علیؑ ہی پرچم دار اسلام رہے ہیں۔ ذیل میں بعض دلائل پیش ہیں:

۱۔ابن عباس کہتے ہیں کہ جنگ بدر میں اسلام کا پرچم حضرت علیؑ کے ہاتھوں میں تھا اور حکم [حاکم] کہتے ہیں کہ تمام جنگوں میں پرچم حضرت علیؑ کے ہاتھوں میں ہی تھا۔

۲۔مالک بن دینار کہتے ہیں میں نے سعید بن جبیر اور ان کے دیگر بھائیوں سے پوچھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پرچمدار کون تھا؟ تو سب نے کہا: پرچمدار رسول خداؐ حضرت علیؑ تھے۔

اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ جب مالک نے سعید بن جبیر سے پوچھا تو وہ بہت ناراض ہوئے، مالک نے ان کے قاری بھائیوں سے شکایت کی تو انہوں بتایا کہ وہ

حجاج سے ڈرتے ہیں۔ مالک نے سعید بن جبیر سے پھر پوچھا تو انہوں نے کہا کہ پرچم کے علمبردار حضرت علیؑ ہی تھے، یہ میں نے عبداللہ بن عباس سے سنا ہے۔

نیز ایک اور دوسری روایت میں مالک بن دینار کہتے ہیں کہ میں نے سعید بن جبیر سے پوچھا: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پرچمدار کون تھا؟

وہ کہتے ہیں: تم بے وقوف ہو۔ {یعنی ایسا سوال کرنا بے وقوفی ہے}

پھر معبد جہنی نے مجھ سے بتایا: سفر کے دوران یہ پرچم میسرہ عبسی کے ہاتھ میں رہا کرتا تھا اور جنگوں میں حضرت علی ابن ابی طالبؑ اسے اپنے ہاتھ میں لے لیا کرتے تھے۔

۳۔ جناب جابر سے روایت ہے کہ اصحاب نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا، اے اللہ کے نبی! محشر میں آپؐ کا علمبردار کون ہوگا؟

آپؐ نے فرمایا: محشر میں بھی میرے علمبردار وہی علی بن ابی طالبؑ ہیں جو دنیا میں میرے پرچمدار ہیں۔

اور بعض روایتوں میں پرچم کی جگہ لفظ نشان استعمال ہوا ہے۔

۴۔ سعد بن وقاص نے راستہ میں ایک شخص کو دیکھا وہ حضرت علیؑ کی شان میں گستاخی کر رہا ہے اور شہر کے لوگ اس کے گرد و پیش جمع ہیں۔ سعد بن وقاص نے اس شخص سے کہا: اے شخص، تو کیوں علی بن ابی طالبؑ کی شان میں گستاخ آمیز جملے کہہ رہا ہے؟ کیا علیؑ سب سے پہلے مسلمان نہیں ہیں؟ کیا انہوں نے سب سے پہلے رسول اکرمؐ کے پیچھے نماز ادا نہیں کی؟ کیا لوگوں میں سب زیادہ زاہد وہ نہیں ہیں؟ کیا لوگوں میں سب سے زیادہ علم رکھنے والے وہی نہیں ہیں؟ کیا جنگوں میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پرچمدار وہ نہیں تھے؟ چنانچہ سعد بن وقاص کی بات سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ تمام صفات مولائے کائناتؑ

کے امتیازات کا حصہ ہیں۔

۵۔ مقسم سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پرچم حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام کے ہاتھ میں رہتا تھا اور انصار کا پرچم سعد بن عبادہ کے ہاتھوں میں ہوتا تھا اور جب جنگ شباب پر ہوتی تھی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انصار کے پرچم تلے ہوتے تھے۔

۶۔ عام سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پرچم ہمیشہ حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام کے ہاتھوں میں ہوتا تھا اور انصار میں کوئی معین نہیں تھا۔

یہاں یہ کوئی کہہ سکتا ہے کہ پانچویں اور چھٹی دلیل سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ پرچم لازمی اور واضح طور پر صرف حضرت علی علیہ السلام کے ہاتھوں ہی میں رہتا تھا، بلکہ ان کے ظاہر سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپؑ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پرچم دار ہیں۔

۷۔ ثعلبہ بن ابی مالک سے روایت ہے کہ سعد بن عبادہ تمام موقعوں پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پرچمدار ہوتے تھے لیکن جنگ کے موقعہ پر پرچم حضرت علی بن ابی طالبؑ کے ہاتھوں میں ہوتا تھا۔

۸۔ ابن حمزہ سے روایت ہے کہ کیا کسی بھی صاحب علم نے یہ بیان کیا ہے کہ علیؑ کسی لشکر میں ہوں اور وہ اس لشکر کے سردار نہ ہوں؟ کیا حدیث مناشدہ (۔حدیث مناشدہ دراصل اس روایت کو کہتے ہیں جس میں مولائے کائنات میں جناب عثمان کی خلافت سے قبل شوری میں موجود لوگوں خطاب کرتے ہوئے اسلام میں اپنی برتری ثابت کی تھی اور وہاں موجود لوگوں سے اپنی برتری اور فضیلت کا اقرار لیا تھا) میں حضرت علیؑ نے نہیں فرمایا تھا: میں تم لوگوں کو خوف خدا دلاتا ہوں، یہ بتاؤ کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے بعد کیا میرے علاوہ تم میں سے کوئی تھا ایسا جس نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پرچمداری کی ہو؟

سبھوں نے مل کر کہا: ہر گز نہیں۔

(الصحیح من سیرۃ النبی الأعظم (ص)، السید جعفر مرتضی العاملی، ج7، ص99-102)

ان تمام دلائل سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام اسلام کے سب سے پہلے علمبردار اور تمام جنگوں، موقعوں اور مقاموں پر اسلام کے پرچمدار تھے۔

۱۴۔سب سے پہلے ہاشمی خلیفہ

حضرت امام علی علیہ السلام پہلے ہاشمی خلیفہ ہیں بلکہ اوران سے قبل ہاشمیوں میں کسی کو بھی خلافت میسر نہیں ہوئی۔ وہ تمام صفات وکمالات جو قبیلہ بنی ہاشم کی شہرت و برتری کا سبب تھے وہ یکجا آپؑ میں پائی جاتی تھیں اور آپؑ کے والد بزرگوار ابوطالب بن عبدالمطلب بن ہاشم ہیں جو سید بطحاہ اور قریش کے سردار ہیں۔

آپؑ کی والدہ گرامی فاطمہ بنت اسد بن ہاشم تھیں۔اور آپ وہ مومنہ خاتون ہیں جنکا سابقین واولین مسلمانوں میں شمار ہوتا ہے اور شہزادی آمنہ بنت وہب کے انتقال کے بعد آپؑ ہی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی آغوش مبارک میں پالا تھا جبکہ اس وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف ۶ برس کے تھے۔

اور یہ ہاشمی خلافت حضرت علی علیہ السلام کے بعد ان کے فرزند امام حسن مجتبی علیہ السلام میں جلوہ گر ہوئی۔

۱۵۔اسلام کے سب سے پہلے مصنف

اسلام میں سب سے پہلے حضرت امام علی علیہ السلام نے کتاب لکھی اور نہج البلاغہ جسے سید شریف رضیؒ نے جمع کیا، اس کتاب میں حضرت علی علیہ السلام کے خطبات، خطوط، نصیحتیں اور حکمتیں ہیں اور نہج البلاغہ حضرت علی علیہ السلام کی طرف منسوب کتابوں میں سب سے مشہور اور نمایاں کتاب ہے۔

تاریخ میں کتاب الفرائض کے نام سے بھی ایک کتاب ہے۔ یہ کتاب بھی امام علی علیہ السلام کی تصنیف ہے اور اسے فرائض امام علیؑ بھی کہا جاتا ہے اور یہ کتاب معصومین علیہم السلام کے پاس تھی اور ان کے معتبر اصحاب اور شاگردوں نے اس کتاب سے روایات بھی نقل کی ہیں۔

آپؑ کی تصنیفات میں سب سے نمایاں وہ خط ہے جو آپؑ نے مصر میں اپنے گورنر جناب مالک اشتر کو لکھا تھا اور ایک حکومت کی دیکھ ریکھ اور اس کے نظام کی تدبیر کے حوالے سے یہ خط ایک اہم منشور مانا جاتا ہے۔

علی بن راجح نے فقہ میں ایک کتاب کو آپؑ سے منسوب کیا ہے جس میں آپؑ نے فقہ کے ابواب بیان کئے ہیں۔ نسائی نے مسند امام علیؑ کے نام سے ایک کتاب تالیف کی ہے جس میں آپؑ کے اقوال و روایات نقل ہوئے ہیں۔ ان کے علاوہ تاریخ میں اور بھی منصفات ہیں، جنہیں امام علیؑ کی تحریر کہا جاتا ہے۔

۱۶۔ علم نحو کے بانی

مورخین کے درمیان اس بات کا شہرہ ہے کہ سب سے پہلے علم نحو، اس کے اصول و قواعد اور ادبی فروعات اور ان کے حدود کی بنیاد حضرت امام علی علیہ السلام نے ڈالی ہے اور ابو الاسود دولی [ظالم بن عمرو] نے امامؑ سے سیکھنے کے بعد اسے مزید صیقل کیا نیز اس کے فروعات میں اضافہ کیا اور اسے ایک نہج دیا جس کے بعد اس کا نام علم نحو ہوا۔

سید محسن امین {رحمہ اللہ] کہتے ہیں:

راویوں اور دانشوروں کا اتفاق ہے کہ سب سے پہلے علم نحو کے اصول وقواعد حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے ایجاد کئے ہیں۔ آپؑ نے یہ قواعد ابو الاسود دولی ظالم بن عمرو کو سکھائے۔ وہ تابعی تھے اور مولائے کائناتؑ کی ہدایات کے مطابق انہوں نے علم نحو کی شقیں ایجاد کیں۔ (أعيان الشيعة، السيد محسن الأمين، ج1، ص230)

وہ مزید کہتے ہیں: حق یہ ہے کہ علم نحو کی سب سے پہلے حضرت علیؑ نے بنیاد ڈالی ہے کیونکہ اس علم کی ایجاد سے متعلق تمام روایات کا سلسلہ ابو الاسود پر ختم ہوتا ہے اور ابو الاسود نے حضرت علیؑ سے ہی حاصل کیا ہے۔ روایت ہے کہ ابو الاسود سے پوچھا گیا کہ آپ نے علم نحو کہاں سے سیکھا؟ انہوں نے جواب دیا: میں نے اس علم کے بنیادی اصول حضرت علیؑ سے سیکھے ہیں۔ ابو الاسود دولی سے عنبسۃ الفیل، میمون اقرن، نصر بن عاصم، عبد الرحمن بن ہرمز اور یحیی بن یعمر نے حاصل کیا ہے۔

ابن ندیم کہتے ہیں: بعض اہل علم کا کہنا ہے کہ نصر بن عاصم نے ابو الاسود سے علم نحو سیکھا ہے اور یاقوت سے کتاب بغیۃ الوعاۃ میں نقل ہوا ہے کہ نصر نے قرآن اور علم نحو ابو

الاسود سے حاصل کیا ہے۔

سیبویہ کے خطبہ کی شرح میں ابو الانباری کہتے ہیں کہ آیت " أَنَّ اللّٰهَ بَرِیٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ وَرَسُولُهُ " (سورة التوبة، الآية: 3) میں کلمہ" رسولہ" کو جب کسی نے رسول اللہ ﷺ کے دور میں ہی کسرہ کے ساتھ پڑھا تو آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ کو علم نحو کے اصول وقواعد کی تاسیس کی ہدایت دی۔ چنانچہ حضرت علیؑ نے ابو الاسود کو علم نحو کے اصول و قواعد، اعراب و بناء کے ضوابط کی تعلیم دی اور اس طرح علم نحو کی تاسیس ہوئی۔ اور جب کبھی بھی ابو الاسود کو اس علم سے متعلق کوئی دشواری ہوتی تھی تو حضرت امیر المومنینؑ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ اور ابو الاسود نے جب علم نحو کے مولفہ اصول وقواعد امیر المومنینؑ کی خدمت میں پیش کئے تو آپؑ نے تعریف وتحسین کرتے ہوئے فرمایا: بہترین نحو و نہج ہے۔ چنانچہ امام علیؑ کے اس لفظ سے استفادہ کرتے ہوئے اسی لفظ کو اس علم کا نام دے دیا گیا۔ یہ حکایت خبر واحد ہے اور اس کی صحت بھی مشکوک ہے کیونکہ رسول اکرم ﷺ کے دور میں عربی زبان خطاؤں سے محفوظ تھی۔ عربی زبان میں غلطیاں اور خطائیں غیر عربوں کے عرب معاشرہ میں داخل ہونے کے بعد شروع ہوئی ہیں۔

(أعيان الشيعة، السيد محسن الأمين، ج1، ص233)

علامہ قفطی اپنی کتاب" انباہ الرواۃ علی انباء النجاۃ" میں کہتے ہیں: تمام اہل مصر کا اتفاق ہے کہ سب سے پہلے علم نحو کی ایجاد حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کی ہے اور ان سے ابو الاسود دولی نے سیکھا اور ابو الاسود سے نصر بن عاصم بصری نے اور ان سے ابو عمرو بن علا بصری نے اور ان سے خلیل بن احمد نے اور ان سے سیبویہ ابو بشر عمرو بن عثمان بن قنبر نے اور ان سے ابو الحسن سعید بن مسعدۃ اخفش اوسط نے اور ان سے عثمان بکر بن محمد مازنی شیبانی اور ان دونوں سے ابو عباس محمد بن یزید مبرد نے اور ان سے ابو اسحاق زجاج و ابو بکر

بن سراج نے اور ابن سراج سے ابوعلی حسن بن عبد الغفار فارسی نے اور ان سے ابوالحسن علی بن عیسی ربیعی نے اور ان سے ابونصر قاسم بن مباشر واسطی نے اور ان سے طاہر بن احمد بن شاذ مصری نے اور ان سے ابوجعفر نحاس احمد بن اسماعیل مصری نے اور ان سے ابوبکر ادفوی نے اور ان سے ابوحسن علی بن ابراہیم حوفی نے اور ان سے طاہر بن احمد بن بابشاذ نحوی نے اور ان سے ابوعبد اللہ محمد بن برکات نحوی مصری نے اور ان سے اور دیگر نحویوں سے محمد بن بری نے اور ان سے مصر و مغرب وغیرہ کے کچھ علماء نے اس علم کو حاصل کیا۔ اور اس علم کو مزید رونق دی ہے، جامعہ عمرو بن عاص کے فاضل شیخ ابوحسین نحوی نے جنہیں خرء الفیل کہا جاتا تھا اور ان کا انتقال سنہ ۶۲۰ ہجری میں ہوا ہے۔

(شرح إحقاق الحق، السيد المرعشي النجفي، ج8، ص10)

ابن ابی الحدید معتزلی علم نحو کی تشکیل میں امام علیؑ کے کردار کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: اور علوم میں علم نحو اور عربی ادب ہیں۔ یہ تمام لوگوں پر عیاں ہے کہ علم نحو کے موجد و مبدع امام علیؑ ہی ہیں اور آپؑ نے اسے ابوالاسود دولی کو اس کے اصول و قواعد کی تعلیم دی۔ ان میں سے ایک بنیادی شی یہ بتائی کہ ہر کلام تین بنیادی حصوں پر مشتمل ہوتا ہے:

اسم و فعل و حرف اور پھر کلمہ کو معرفہ و نکرہ میں تقسیم کیا اور پھر اعراب کی مختلف صورتوں کی تعلیم دی یہاں تک کہ یہ سلسلہ رفع و نصب جر و جزم تک پہنچا۔ اور فن کی یہ گہرائی کوئی معجزہ سے کم نہیں ہے کیونکہ عام طور سے فکر بشر کی ان حدوں تک رسائی نہیں ہوتی اور نہ اس حد تک استنباط و اکتشاف کی ان میں صلاحیت ہوتی ہے۔

(شرح نهج البلاغة، ابن أبي الحديد، ج1، ص38)

مولا علیؑ نے کیوں علم نحو کو ایجاد کیا؟ ابوالاسود دولی اس کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں: میں امیر المومنینؑ کی خدمت میں داخل ہوا تو میں نے دیکھا کہ آپؑ سر جھکائے

گہری فکر میں غرق ہیں، میں نے پوچھا مولا! آپ کس فکر میں غرق ہیں؟

آپؑ نے فرمایا: تمہارے شہر میں لوگ اب عربی میں غلطیاں کر رہے ہیں، ان کی اصلاح کے لئے میں نے عربی ادب کے اصول بنائے ہیں۔ میں نے عرض کی مولا، آپ کے اس عمل سے عربی زبان کو زندگی مل جائے گی۔ کچھ دنوں کے بعد جب میں دوبارہ ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے میرے سامنے ایک صحیفہ رکھا، جس کی ابتدا میں لکھا تھا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم ہر کلام اسم، فعل اور حرف سے مل کر بنتا ہے اور اسم وہ ہوتا ہے جو کسی شخص کی نشاندہی کرے اور فعل اس شخص کے عمل کی نشاندہی کرتا ہے اور حرف ایک ایسے معنیٰ کو پیش کرتا ہے جو نہ اسم ہے اور نہ فعل۔ پھر آپؑ نے فرمایا؛ اسے سمجھو اور پھر جو بھی اس میں اضافہ ہوسکتا ہے تم خود کرو۔

اور یاد رکھنا دنیا کی تمام چیزیں تین حالتوں میں سے ایک میں ہوتی ہیں: ظاہر یا مضمر اور یا نہ ظاہر اور نہ ہی مضمر۔ اور علماء کا اختلاف اس چیز کے متعلق تھا جو نہ ظاہر ہے اور نہ مضمر۔ لہذا میں نے تمام اشیاء کو جمع کیا اور اس تیسری قسم کے اعتبار سے ان کی وضاحت کی ہے۔ اور حروف نصب اسی تیسری قسم میں سے تھے تو میں نے ”ان وان لیت ولعل اور کانّ، کو شمار کیا اور ان کو میں نے ذکر نہیں کیا تھا، تو آپؑ نے فرمایا: لکن کو تم نے کیوں ترک کیا؟ میں نے کہا: میں نے اسے ان میں شامل نہیں سمجھا ہے، آپؑ نے فرمایا: وہ بھی انہیں نواصب میں سے ہے، اس کا بھی اضافہ کرو۔

(شرح إحقاق الحق، السيد المرعشي النجفي، ج8، ص11)

ابو البرکان انباری نے ”نزھۃ الاولیاء“ میں ذکر کیا ہے کہ ابو الاسود دولی کہتے ہیں:

میں امیر المومنینؑ کی خدمت میں حاضر ہوا، میں نے ان کے دست مبارک میں ایک رقعہ دیکھا، میں نے سوال کیا: یہ کیا ہے اے امیر المومنین؟

آپؑ نے فرمایا: میں نے لوگوں کے بول چال پر غور کیا تو مجھے احساس ہوا کہ عجمیوں کے ہمراہ ہونے کے سبب ان کی زبان خراب ہوتی جارہی ہے۔لہٰذا میں نے ایسے اصول ایجاد کیئے ہیں جس کی طرف لوگ رجوع کر سکتے ہیں۔ پھر آپؑ نے وہ رقعہ میرے حوالے کیا، جس پر لکھا تھا: کلام کل تین چیزوں پر مشتمل ہوتا ہے؛ اسم و فعل وحرف۔اور اسم وہ ہے جو کسی کے نام کی طرف اشارہ کرے اور فعل عمل کی طرف اشارہ کرتا ہے اور حرف وہ ہے جو دو کلموں کے بیچ مفہوم ایجاد کرتا ہے۔

پھر آپؑ نے فرمایا: اسی نحو و نہج پر چلو اور اصول وقوانین کا اضافہ کرو۔اور اے ابو الاسود یاد رکھنا: اسم تین طرح کا ہوتا ہے؛ ظاہر مضمر اور وہ جو نہ ظاہر ہو اور نہ ہی ضمیر۔لوگوں میں اختلاف اسی تیسری قسم میں ہوتا ہے۔اس تیسری قسم سے آپؑ کی مراد مبہم اور غیر صریح اسم تھا۔

ابو الاسود کہتے ہیں: پھر میں نے عطف ونعت {صفت}، تعجب و استفہام کے ابواب کی وضاحت کی یہاں تک "لکن" کے علاوہ" اِن اور دیگر تمام حروف مشبہہ بالفعل کی وضاحت کی۔جب میں نے ان قواعد کو امام علیؑ کی خدمت میں پیش کیا تو آپؑ نے "لکن" کو بھی اضافہ کرنے کی ہدایت دی۔اور میں جب بھی علم نحو کا کوئی نیا باب لکھتا تھا تو اسے امامؑ کی خدمت میں پیش کرتا تھا تا کہ کوئی نقص نہ رہے۔ چنانچہ تمام اُصول وقواعد کو دیکھنے کے بعد مولا نے فرمایا: بہترین نحو و نہج ہے۔اسی کے بعد سے اس علم کا نام" علم نحو" واقع ہوا۔

(شرح اِحقاق الحق، السید المرعشي النجفي، ج8، ص 11)

حضرت امیر المومنین امام علی ابن ابی طالبؑ علم نحو کے بانی وموسس ہیں، اس سلسلہ میں بے شمار دلائل ہیں اور مذکورہ دلائل بھی کافی ہیں کیونکہ یہ باب شیعہ اور سنی تمام علماء و دانشوروں کے درمیان مسلم اور یقینی ہے۔

۱۷۔ علم کلام کے بانی وموسس

علم کلام وہ علم ہے جس میں اسلامی عقائد کو یقینی دلائل کے ذریعہ ثابت کیا جاتا ہے۔

علم کلام میں اسلام کے اعتقادی مسائل پر دلیلیں پیش کی جاتی ہیں اور انہیں ثابت کیا جاتا ہے اور ان کے مخالف نظریات پر تبصرہ و بحث ہوتی ہے اور مخالف دلیلوں کے ضعف اور ان کے باطل ہونے پر دلیلیں پیش کی جاتی ہیں، نیز اسلامی عقائد پر ہونے والے اعتراضات وشبہات کا دلیلوں اور برہان کے ساتھ جواب دیا جاتا ہے۔

(خلاصة علم الكلام، د. عبد الهادي الفضلي، مؤسسة دائرة معارف الفقه الإسلامي، قم، الطبعة الثالثة 1428هـ- 2007م، ص33-34)

کہا جاتا ہے کہ سب سے پہلے علم کلام کے اُصول وقواعد کی بنیاد امام علیؑ نے ڈالی ہے۔ چنانچہ توحید، نبوت، امامت، عدل اور قیامت کے سلسلہ میں آپؑ کے بے شمار خطبے ہیں جو نہج البلاغہ اور دیگر حدیث کی کتابوں میں موجود ہیں۔

سید مرتضیؒ اس سلسلہ میں فرماتے ہیں:

اُصول توحید اور عدل الٰہی کا منشا ومنبع امام علی علیہ السلام کا کلام اور آپؑ کے خطبے ہیں۔آپؑ کے خطبے توحید وعدل کے اعلی مطالب پر مشتمل ہیں کہ جن کے بعد مزید کی ضرورت نہیں ہے۔ چنانچہ اگر کوئی امام علی علیہ السلام کے اقوال وکلمات پر غور کرے تو اسے اندازہ ہوگا کہ جتنے بھی علماء و متکلمین نے اس سلسلہ میں کتابیں تصنیف کی ہیں وہ دراصل امامؑ کے اقوال وکلمات کی شرح اور انکے ذریعہ بیان کے گئے اُصول وضوابط کی تفصیل ہی ہے۔

(الأمالي، السيد المرتضى، منشوارت المكتبة العصرية، بيروت،

الطبعة الأولى 1425هـ- 2004م، ج1، ص162-163.)

ابن ابی الحدید کہتے ہیں: علوم میں سب سے برتر علم الہی ہے، کیوں کہ کسی علم کی اہمیت اس کے مضمون سے معلوم ہوتی ہے اور علم کلام کا مضمون ومعلوم کائنات میں سب سے برتر ہے۔لہذا یہ علم سب سے برتر علم ہے۔اور اس علم کا اقتباس امام علیؑ کے اقوال سے ہوا ہے اور انہیں سے منقول ہے۔انہیں سے اس کی ابتدا ہے اور انہیں پر یہ ختم ہوتا ہے۔ چنانچہ معتزلہ جو توحید و عدل الہی کے قائل ہیں اور اہل عقل بھی ہیں۔لوگوں نے اس علم کو معتزلہ کے علماء و دانشوروں سے سیکھا ہے، کیونکہ معتزلہ کے بانی واصل بن عطا، أبو ہاشم عبد اللہ بن محمد بن حنفیہ کے شاگرد ہیں اور أبو ہاشم اپنے والد کے شاگرہیں اور ان کے والد حضرت امام علیؑ کے شاگرہیں۔

البتہ اشعری اپنا عقیدہ أبو الحسن علی بن اسماعیل بن أبو بشر اشعری سے نسبت دیتے ہیں اور وہ أبو علی جبائی کے شاگرد ہیں اور أبو علی کا شمار فرقہ معتزلہ کی معروف شخصیات میں ہوتا ہے۔لہذا فرقہ اشعری کا بھی سلسلہ فرقہ معتزلہ کے أستاذ و معلم یعنی امام علی ابن ابی طالبؑ کی طرف ہی ہوتا ہے۔اور امامیہ {شیعہ} اور زیدیہ کے سلسلہ کا حضرت علیؑ سے متصل ہونا واضح ونمایاں ہے۔

(شرح نهج البلاغة، ابن أبي الحديد، ج1، ص35-36)

چنانچہ جوکوئی بھی عقائد سے متعلق، امام علیؑ کے خطبہ جات واقوال کا مطالعہ کرے تو اسے یہ یقین ہوجائے گا کہ علم کلام کے موسس وموجد آپؑ ہی ہیں اور آپؑ سے پہلے کوئی بھی ایسا نہیں ہے جس نے اس میدان میں سبقت لی ہو۔

۱۸۔آئین حکومت کے سب سے پہلے موسس

امام علی علیہ السلام کا اپنے مصر کے گورنر جناب مالک اشتر کے نام خط حکومتی آئین کا ایک اہم دستاویز مانا جاتا ہے۔امام علیؑ نے اس خط میں والی وگورنر کے فرائض جیسے رعیت سے نرمی، ضرورتمندوں ومحتاجوں کی دستگیری، رعیت کے ساتھ نیکی، رعیت سے معاشی دباؤ کو گھٹانا، دینی حدود وفرائض کا نفاذ، کڑی نگاہ اور خواص و ہمنشینوں پر نظر، لوگوں کے مسائل پر براہ راست رسیدگی اور برے ہمنشینوں سے گریز وغیرہ پر مشتمل فرائض وہدایات کا ایک منشور تیار کیا ہے۔

اس کے بعد امام علی علیہ السلام نے حکومتی ملازمین کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ لائق و باصلاحیت افراد اور عملہ کا انتخاب ہو، ان کا مناسب ارتزاق فراہم ہو، ان کی رفتاروعمل پر نظر ہو اور خیانت کار وکام چور کو مناسب سزا بھی دی جائے۔

اور قضاوت کے سلسلہ میں امام علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ہمیشہ لائق اور صحیح قاضیوں کا انتخاب ہونا چاہیئے جو قضاوت اور احکام کے نفاذ میں دقیق ہوں اور قاضی لوگ ہر دباؤ سے بری ہوں اور محکمہ عدلیہ کو مستقل ہونا چاہیئے۔

اسی طرح فوجیوں اور دفاعی عملہ سے متعلق آپؑ فرماتے ہیں: فوج کے سربراہوں کے انتخاب میں خاص خیال رکھنا چاہیئے اور فوج کے سربراہوں پر ہمیشہ نظر ہونی چاہیئے، اچھے اور ہونہار سپاہیوں کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیئے اور ان سے کئے عہد ووعدوں کی وفاء ہونی چاہیئے اور بے جا خوں ریزی سے گریز کرنا چاہیئے۔

جناب مالک اشتر کو خط میں امام علیؑ نے سماج کے مختلف طبقوں اور ان کے

فرائض کی جانب بھی اشارہ کیا ہے اور ان کے وظائف کو بیان کیا ہے اور لوگوں سے اچھا برتاؤ کرنے کی ہدایت دی ہے ۔ نیز اقتصاد و معیشت کی ترقی میں کوشاں ہونا، زمینوں کو آباد کرنا، عمومی اَموال و املاک کی حفاظت کرنا، مفید اور ضروری اشیاء کی تجارت کے لئے تجار کی حوصلہ افزائی کرنا، احتکار اور اسٹا کنگ کو روکنا، فقراء، مساکین اور سماج کے غریب و نادار طبقہ کی مالی امداد و دستگیری کو منشور کا حصہ بتایا ہے ۔

اور اس طرح امام علیؑ نے ایک اسلامی حکومت کے مکمل منشور و آئین کو تیار کیا ہے ۔
یہی وجہ ہے کہ امام علی علیہ السلام کا یہ خط مورخین و محققین کے لئے ہمیشہ بحث و تحقیق کا مرکز بنا رہا ہے ۔ اور اب تک اس منشور پر متعدد شرحیں بھی لکھی جا چکی ہیں، جن میں معاصر حکومتوں کے دستور ہائے عمل سے بھی اس کا موازنہ کیا گیا ہے اور متعدد زبانوں میں اس کا ترجمہ بھی ہوا ہے کیونکہ تاریخ اسلام میں اب تک اس سے نمایاں اور دقیق منشور حکومت کسی نے بھی پیش نہیں کیا ہے ۔

۱۹۔ سب سے پہلے بت شکن

خانہ کعبہ کے اندر رکھے بتوں کو سب سے پہلے امام علی علیہ السلام نے گرایا ہے۔ حضرت علیؑ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دوش مبارک پر سوار ہوئے اور آپؑ نے خانہ کعبہ میں نصب بتوں کو گرایا۔

حضرت علیؑ نے دو مرتبہ خانہ کعبہ کے بتوں کو گرایا ہے:

پہلی بار: شب ہجرت حضرت علیؑ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بستر پر سوئے تھے اور اس روایت کو نسائی، نے خصائص میں، احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں، حاکم نیشاپوری نے مستدرک میں، متقی ہندی نے کنز العمال میں، خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد میں، ابو یعلی نے اپنی مسند میں اور دیگر مورخین ومحدثین نے اس روایت کو نقل کیا ہے۔

وہ روایت کچھ اس طرح ہے:

ابن عباس سے روایت ہے کہ فتح مکہ کے دن جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خانہ کعبہ میں داخل ہوئے تو وہاں ۳۶۰ بت نصب تھے اور عرب کے ہر قبیلہ کا ایک بت تھا، گویا شیطان نے مضبوطی سے اپنے قدم جما رکھے تھے۔ چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ایک کر کے اپنے عصا سے ان بتوں کو ان کے منہ کے بل گرانا شروع کر دیا اور ایک دوسری روایت کے مطابق بتوں کو پشت کے بل گرانا شروع کر دیا۔ چنانچہ روایت میں ہے کہ جس بت کو آپؐ نے پیچھے ڈھکیلا، وہ منہ کے بھل گرا اور جسے سامنے ڈھکیلا وہ پشت کے بھل گرا۔ آنحضرتؐ نے براہ راست اپنے ہاتھوں کو لگائے بغیر تمام بتوں کو گرا دیا اور اس آیت کی تلاوت کرتے رہے" وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ

زَهُوقاً " (سورة الإسراء، الآية: 81)

ایک روایت کے مطابق: رسول اکرم ﷺ نے حجر اسود کا بوسہ لینے کے بعد خانہ کعبہ کا طواف کیا اور آپؐ کے ہاتھ میں ایک کمان تھی۔طواف کے دوران باب کعبہ کے سمت جب آپؐ آئے تو وہاں قریش کا سب سے بڑا بت" ہبل" نصب تھا، آپؐ نے اپنے ہاتھ میں موجود کمان اس کی آنکھوں میں مارنا شروع کر دی اور اس آیت کی تلاوت کر رہے تھے " وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقاً "(سورة الإسراء، الآية: 81) ، یہاں تک کہ اسے زمین پر گرا دیا۔

زبیر بن عوام نے ابوسفیان سے کہا:" ہبل" گر گیا، جبکہ جنگ احد میں تمہیں یہ غرور تھا کہ اسی بت نے تمہیں کامیابی دی ہے۔

ابوسفیان نے کہا: اے عوام کے بیٹے، مجھ پر طنز نہ کر، میں سمجھ گیا ہوں، اگر محمدؐ کے خدا کا کوئی شریک ہوتا تو آج ایسا نہ ہوتا۔ اتنے میں رسول اکرم ﷺ مقام ابراہیمؑ کی طرف بڑھے اور خانہ کعبہ کے قریب ہو کر کھڑے ہو گئے۔

راوی کہتا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ رات کے وقت رسول اکرم ﷺ مجھے لیکر خانہ کعبہ پہنچے اور مجھے بیٹھنے کا حکم دیا، میں بیٹھ گیا اور رسول اکرمؐ میرے دوش پر سوار ہوئے اور مجھے اٹھنے کو کہا۔ میرے کھڑے ہونے میں سنگینی کو دیکھ کر رسول اکرم ﷺ نے مجھے بیٹھایا اور مجھ سے کہا کہ اے علی، تم میرے دوش پر سوار ہو جاؤ، میں نے آپؐ کے حکم کی تعمیل کی اور دوش پر سوار ہو گیا۔

اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے کہا کہ اے علی میرے دوش پر سوار ہو جاؤ اور ان بتوں کو توڑ دو، میں نے کہا اللہ کے نبی

آپ میرے دوش پر سوار ہو جائیں، میں کیسے آپ کے دوش پر سوار ہونے کی جرئت کر سکتا ہوں، آنحضرتؐ نے فرمایا: اے علیؑ! تم بار نبوت کو نہیں سنبھال سکتے ۔(اس تعبیر کا اصل مفہوم گویا یہ ہے کہ نبوت کے فرائض کے لیے اللہ نے مجھے چنا ہے اور جو ذمہ داریاں مجھے عطا کی ہیں وہ میرے بعد میرے جانشینوں اور اماموں کو نہیں دی ہیں، لہذا بحکم و مصلحت خدا میرے بار کو کوئی دوسرا نہیں سنبھال سکتا۔ جیسا کہ خود رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک حدیث میں مولائے کائناتؑ سے خطاب کر کے فرمایا تھا:" الا انہ لا نبی بعدی " کہ تم میرے ہی جیسے ہو، صرف فرق یہ ہے کہ میرے بعد کوئی نہیں ہوگا۔) آؤ اور میرے دوش پر سوار ہو جاؤ۔ چنانچہ نبی اکرمؐ بیٹھ گئے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ ان کے دوش مبارک پر سوار ہوئے اور آنحضرتؐ انہیں اپنے دوش پر سوار کر کے کھڑے ہو گئے اور پھر میں خانہ کعبہ کی چھت پر گیا اور آنحضرتؐ کنارے ہو گئے اور اس وقت مجھے ایسا لگ رہا تھا کہ گویا میں چاہوں تو آسمانوں کی بلندیوں کو چھولوں۔

ایک روایت کے مطابق کسی نے حضرت علیؑ سے پوچھا اے علی اس وقت آپ کیسا محسوس کر رہے تھے، جب آپ دوش نبیؐ پر سوار تھے؟

آپؑ نے فرمایا: میں خود کو ایسی بلندی پر محسوس کر رہا تھا کہ گویا میں ثریا کو اپنے ہاتھوں سے چھو سکتا ہوں۔

اور جس وقت امام علیؑ دوش نبیؐ پر سوار ہوئے تو آنحضرتؐ نے فرمایا: اے علیؑ سب سے بڑے بت کو گراؤ، اور وہ بت تانبے سے بنا ہوا تھا اور بعض روایتوں کے مطابق شیشہ سے بنا ہوا تھا۔

اور ایک روایت میں ہے کہ تمام بتوں کو گرانے کے بعد قبیلہ خزاعہ کا بت رہ گیا تھا۔ اس بت کو قبیلہ خزاعہ نے لوہے کی کیلوں سے نصب کیا ہوا تھا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے کیلیں نکال کر گرانے کو کہا اور میں نے اس کی کیلیں نکالنا شروع کر دیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

مستقل اس آیت" وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقاً "(سورۃ الإسراء، الآية: 81) کی تلاوت کررہے تھے۔ میں مستقل کوشش کرتا رہا اور آخر کار کیلیں نکال دیں اور بت کو گرادیا۔

حلبی کہتے ہیں: روایت کے ظاہر سے یہ لگتا ہے کہ یہ بت ہبل کے علاوہ کوئی دوسرا بت تھا اور ہبل قریش کا سب سے بڑا بت نہیں تھا بلکہ یہ کوئی دوسرا بت ہے جو ہبل سے بھی بڑا تھا لیکن تاریخ میں اس کا نام درج نہیں ہے۔

البتہ سب سے آخر میں جو توڑا گیا وہ بت ہبل ہی تھا، یہ حقیقت زبیر اور ابوسفیان کی گفتگو سے واضح ہوتی ہے۔ جب زبیر نے ابوسفیان سے کہا کہ یہ وہی ہبل ہے کہ جنگ احد میں جس پر تم فخر ومباہات کررہے تھے، تو ابوسفیان نے زبیر سے کہا کہ طنز نہ کرو اور میں سمجھ گیا ہوں کہ اگر محمدؐ کے خدا کا کوئی شریک ہوتا تو آج نقشہ کچھ اور ہی ہوتا۔

اور تفسیر کشاف میں نقل ہوا ہے کہ حضرت علیؑ نے تمام بتوں گرادیا اور صرف کعبہ کی چھت پر قبیلہ خزاعہ کا بت رہ گیا تھا، وہ بت صفر کے شیشہ سے بنا ہوا تھا۔ رسول اکرم ﷺ نے کہا: اے علیؑ اسے بھی گرادو۔ چنانچہ رسول اکرم ﷺ نے انہیں اپنے دوش مبارک پر بلند کیا اور خانہ کعبہ کی چھت پر چڑھ کر علی علیہ السلام نے اسے بھی گرادیا۔ یہ دیکھ کر مکہ والوں کو بہت حیرت ہوئی اور کہنے لگے: محمدؐ کیسے جادوگر انسان ہیں۔

خصائص عشرہ میں صاحب کشاف نے ایک دوسری بات نقل کی ہے؛ وہ کہتے ہیں کہ" حضرت علیؑ نے فرمایا: خانہ کعبہ کی چھت سے اتر کر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ میں جانے لگا، تو ہمیں خوف ہوا کہ کہیں قریش ہمیں دیکھ نہ لیں"، جس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ واقعہ فتح مکہ کے دن کا نہیں ہے۔ اور یہ قابل غور بات ہے۔

دوسری بار: حضرت علیؑ نے دوسری بار خانہ کعبہ سے فتح مکہ کے بعد گرایا ہے۔
تفسیر کشاف میں زمخشری لکھتے ہیں کہ خانہ خدا کے گرد وپیش ۳۶۰ بت نصب تھے اور ہر قبیلہ کا ایک مستقل بت تھا۔

اور ابن عباس سے روایت ہے کہ عرب کے ہر قبیلہ کا بت ہوتا تھا وہ اس کا طواف کرتے اور اس کے آگے سجدہ کرتے تھے۔ خانہ کعبہ نے اللہ سے شکایت کی اور خطاب کیا: اے میرے پروردگار آخر کب تک میرے ارد گرد تیرے علاوہ ان بتوں کی عبادت ہوگی؟ اللہ نے خانہ کعبہ کو خطاب کیا: عنقریب میں تیری یہ حالت بدل دونگا اور تیرے ارد گرد زمین سجدہ کرنے والوں سے بھر دونگا اور بمثل باز لوگوں کا ہجوم ہوگا تیرے گرد وپیش۔ اور جس طرح پرندہ شفقتوں سے اپنے انڈے کو اپنے وجود سے لگاتا ہے، لوگ اسی طرح تیرے وجود سے چسپاں ہوں گے اور تیرے گرد وپیش {تکبیر کی} صدائیں گونجیں گی۔
پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خانہ کعبہ میں داخل ہوئے اور جناب بلال کو عثمان بن ابی طلحہ کے پاس بھیجا کہ وہ اس سے کعبہ کی کنجیاں لے کر آئیں۔

(السيرة النبوية، ابن هشام، ج3، ص123-124)
چنانچہ بے شمار تاریخی اسناد سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتح مکہ کے دن حضرت علی علیہ السلام کو ایک عظیم ذمہ داری سونپی۔ چنانچہ انہیں اپنے دوش مبارک پر سوار کیا اور حضرت علیؑ نے خانہ کعبہ کی چھت پر جا کر اس طرح بتوں کو توڑ کر گرانا شروع کیا کہ خانہ کعبہ کی دیواریں ہل رہی تھیں۔
احمد بن حنبل اور ابو یعلی موصلی نے اپنی مسند میں، ابو بکر خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں، محمد بن صباح زعفرانی اپنی کتاب فضائل میں اور خطیب خوارزمی نے اپنی

اربعینیہ میں اس روایت کو نقل کیا ہے۔

ابو عبداللہ نطنزی نے خصائص میں اور امام علی رضا علیہ السلام کے خادم ابوالمضا صبیح کہتے ہیں کہ میں سنا کہ امام رضا علیہ السلام اپنے والد اور وہ اپنے جد سے آیت "وَرَفَعْنَاهُ مَكَاناً عَلِيّاً" (سورۃ مریم، الآیۃ: 57) کی تفسیر کے ذیل میں روایت کرتے ہیں کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی تھی جب علی علیہ السلام، نبی اکرم ﷺ کے دوش مبارک پر بتوں کو گرانے کے لئے سوار ہوئے تھے۔ (المناقب، ابن شهر أشوب، ج2، ص154)

قتادہ نے ابن مسیب سے اور انہوں نے ابو ہریرہ سے روایت کی ہے کہ جابر بن عبد اللہ نے مجھ سے نقل کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ ہم جب مکہ میں داخل ہوئے تو اس وقت خانہ کعبہ میں ۳۶۰ بت نصب تھے اور لوگ اللہ کے سوا ان کے آگے سجدہ کرتے تھے۔ رسول اکرم ﷺ نے حکم دیا تو تمام بتوں کو منہ کے بل گرا دیا گیا۔ اور خانہ کعبہ کی چھت پر ایک سب سے بڑا بت تھا جسے لوگ "ہبل" کہتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا: اے علیؑ! کیا تم میرے دوش پر سوار ہو گے اس بت کو گرانے کے لئے، یا میں تمہارے دوش پر سوار ہو کر پشت بام کعبہ سے اسے گراؤں؟

{حضرت علیؑ فرماتے ہیں:} اے اللہ کے نبی آپ میری پشت پر سوار ہوں۔ چنانچہ جب آنحضرتؐ میری پشت پر سوار ہوئے تو بار رسالت کو اٹھانے میں مجھے سنگینی محسوس ہوئی۔ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے نبیؐ میں ہی آپؐ کی پشت پر سوار ہو جاتا ہوں۔ رسول مسکراتے ہوئے نیچے اترے اور اپنی پشت کو میرے لئے ہموار کیا اور میں اس پر سوار ہو گیا۔ اس وقت قسم اس ذات کی جس نے زمین پر دانے اگائے اور خلائق کو زیور وجود سے آراستہ کیا، {میں ایسا محسوس کر رہا تھا کہ} اگر میں چاہتا تو آسمانوں کی بلندیوں کو چھو لیتا۔

چنانچہ خانہ کعبہ کے پشت بام سے میں نے "ہبل" کو گرایا اور اللہ نے" وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ " کی آیت یعنی لا الہ اللہ محمد رسول اللہ اور" وَزَهَقَ الْبَاطِلُ " یعنی اب بتوں کا سجدہ نہیں ہوگا، اور " إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقاً " یعنی بتوں کے دن گزر گئے، کی آیت نازل کی اور نبی اکرمؐ خانہ کعبہ میں داخل ہوئے اور وہاں دو رکعت نماز ادا کی۔

(عبقرية الإمام علي (ع)، عباس محمود العقاد، ص155-156)

گرچہ ان دو روایتوں میں مشابہت ہے لیکن دونوں کا ایک مشترکہ نتیجہ یہ کہ حضرت علیؑ دو مرتبہ دوش نبی اکرمؐ پر سوار ہوئے اور خانہ کعبہ پر نصب بتوں کو گرایا اور ان کے خاتمہ کے اعلان کے ساتھ اسلام کی سربلندی کو عام کر دیا۔

۲۰۔ سب سے پہلے خانہ خدا میں ولادت اور مسجد میں شہادت

سب سے پہلے خانہ کعبہ میں جس کی ولادت اور مسجد میں شہادت ہوئی وہ حضرت علی علیہ السلام ہیں ۔ چنانچہ آپؑ کی زندگی کا آغاز وانجام دونوں مسجد ہی میں ہوا۔

حضرت علیؑ بروز جمعہ مکہ میں خانہ خدا کے اندر پیدا ہوئے اور پیدا ہوتے ہی سجدہ میں چلے گئے اور جمعہ ہی کے دن سجدہ کی حالت میں مسجد کے اندر آپؑ کی شہادت ہوئی۔ اور یہ ایسی فضیلت ہے جو آپؑ سے قبل کسی کو نصیب ہوئی اور نہ ہی آپؑ کے بعد کسی نے پائی۔

مشہور مولف عباس محمود العقاد لکھتے ہیں: " امام علیؑ اس دنیا میں اپنی جبین مبارک پر شہادت لکھوا کر آئے تھے اور اس دنیا سے گئے بھی تو ضربت سے اپنے مقدر میں شہادت کو لکھوا کر گئے ۔تاریخ کا کوئی مصور ومجاہد آپؑ کے چہرہ کو بھلا نہیں سکتا۔کیونکہ وہ چہرہ راہ خدا کے ایک ایسے مجاہد کا ہے جس نے اپنے ہاتھ اور پورے دل وجان سے راہ خدا میں جہاد کیا اور شہید ہو گیا۔

پھر وہ کہتے ہیں؛ تاریخ میں کس نے ایسا حسین انجام پایا ہے جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ آپ کعبہ میں پیدا ہوئے اور مسجد میں آپؑ کی شہادت ہوئی ۔بشریت میں کون ہے ایسا جس کا آغاز وانجام ایسے آغاز وانجام جیسا ہو۔

لہذا امام علیؑ کی پوری زندگی دین کی راہ میں کٹی اور پوری زندگی آپ کا مقصد صرف اسلام کی خدمت، دینی عقائد کی پاسداری، اسلام کے ستونوں کا استحکام اور اپنی ہر قیمتی اور نفیس شیء کو کلمہ خدا کو بلند اور کلمہ کفر کو سرنگوں کرنے کے لئے راہ خدا میں خرچ کرنا تھا۔

اور ایسا ہی ہوا چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انتھک کوششیں اور قربانیوں، ان کے مخلص صحابہ اور سرفہرست حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام کی کوششوں سے اسلام کا بول بالا ہوا اور کفر سرنگوں ہوا۔

حسن ختام:

امام علی علیہ السلام کے مناقب وفضائل اور اسلام میں آپؑ کی برتری و اسبقیت ، بیان کرنے کے ساتھ ہم پر یہ بھی فرض ہوتا ہے کہ ہم ان کا اتباع اور پیروی کریں اور ہم ہی ہر میدان میں اول رہیں۔ایک طالب علم کو حصول علم کے میدان میں، ایک پیشہ ور کام کرنے والے کو اپنے کام میں، ایک تاجر کو سماج کی خدمت کے لئے مفید مواقع تجارت ایجاد کرنے میں، ایک عالم دین کو اخلاق وعمل کے میدان میں، ایک جوان کو دینداری اور دینی امور کی پاسبانی کے میدان میں۔اور اس طرح حضرت علیؑ سے محبت کرنے والے اور ان پر ایمان رکھنے والے ہر فرد پر ضروری ہوتا ہے کہ وہ ہر میدان میں منفرد، نمایاں اور سب سے آگے رہے۔

فردی اور ذاتی زندگی میں پیش قدمی اور کامیابیوں کے ہمراہ مومنین پر ضروری ہے کہ وہ سماجی اور معاشرتی زندگی میں بھی سب سے آگے رہیں۔اگر مومنین کا ایک گروہ خیرات ونیکیوں کے کام میں مشغول ہو تو دوسرے گروہ کو دیگر خیریہ پروجکٹس پر کام کرنا چاہیئے، گرچہ مومنین میں کچھ لوگ خیرات کے میدان میں پیچھے رہ جاتے ہیں، لیکن ہمیں چاہیئے کہ ہم اپنے معاشرہ کو نیک کاموں اور خیریہ مراکز اور علمی وثقافتی مرکزوں کی تعمیر و تقویت میں پیشگام وپیش قدم رکھیں، تا کہ ہمارا معاشرہ انہیں علمی وثقافتی مراکز اور اداروں کے سبب کمال وترقی کی راہ میں قدم بڑھا سکے۔

اور اس طرح کہیں جا کر حضرت امیرالمومنینؑ کی پیروی ہوتی ہے۔اور ہم پر یہ بھی ضروری ہے کہ حضرت امام علیؑ کی محبت اور ان کی مودت کو اپنے دلوں تک محدود نہ رکھیں،

بلکہ ہمیں ان کے بتائے ہوئے راستہ پر چلنا ہوگا اور ان کی اخلاقی سیرت وتعلیمات پر عمل بھی کرنا ہوگا، جس کی نمایاں مصداق: اچھے کاموں اور خیرات میں سبقت، نیک اعمال کا انجام دینا، علمی میدانوں میں آگے بڑھنا، اعلی اخلاق حاصل کرنا، عملی میدان میں ترقی پانا، راہ وروش کے انتخاب میں بصیرت سے کام لینا، کسی رائے یا نظریہ کے اختیار کرنے سے قبل غور وفکر کرنا، قول وعمل میں، دل و جان سے اور ہر انتخاب و اختیار میں حضرت علیؑ کی ولایت و امامت اور ان کی مودت ومحبت پر ثابت قدم رہنا۔ چنانچہ یہی وہ راستہ ہے جس کے ذریعہ ہمارا معاشرہ امام علی علیہ السلام کے نقش قدم پر چل کر حق، عدل و انصاف اور نیکی وسعادت کے راستے پر گامزن ہو پائے گا۔

وآخر دعوانا أنِ الحمد لله رب العالمین۔ وصلی الله علی سیدنا محمد وآله الطیبین الطاهرین

منابع وماخذ:

1- ہمارا حسن آغاز: القرآن الکریم.

2- الأصفهانی، أبو بکر أحمد بن موسی بن مردویه (ت410ھ)، مناقب علی بن أبی طالب (ع)، دار الحدیث للطباعة والنشر، قم، طبعه سوم 1429ھ.

3- الأمین، السید محسن (ت 1371 ھ. 1952م)، أعیان الشیعة، تحقیق و تعلیق: سید حسن الأمین، دار التعارف للمطبوعات، بیروت.لبنان، پانچویں طبعه 1418ھ.1998م.

4- ابن الأثیر، أبو الحسن علی بن أبی الکرم محمد بن محمد بن عبد الکریم بن عبد الواحد الشیبانی (ت 630 ھ)، الکامل فی التاریخ، تصحیح و تحقیق : د. محمد یوسف الرقاق، دار الکتب العلمیة، بیروت. لبنان، چوتھی طبعه 1424ھ.2003م.

5- ابن الأثیر، أبو الحسن علی بن أبی الکرم محمد بن محمد بن عبد الکریم بن عبد الواحد الشیبانی (ت 630 ھ)، أسد الغابة فی معرفة الصحابة، دار الکتاب العربی، بیروت-لبنان.

6- ابن حجر، أحمد بن علی بن حجر العسقلانی، لسان المیزان، مؤسسة الأعلمی، بیروت، طبعه دوم 1390ھ-1971م.

7- ابن سعد، أبو عبد الله محمد بن سعد بن منیع البصری البغدادی(ت 230ھ)، الطبقات الکبری، دار الکتب العلمیة، بیروت، طبعه اول 1410ھ-1990م.

8- ابن سيد الناس، محمد بن محمد بن محمد بن أحمد اليعمری الربعی (ت 734ھ)، عيون الأثر فی فنون المغازی و الشمائل و السير، مؤسسة عز الدين، بيروت، طبع عام 1409ھ-1986م.

9- ابن شعبه الحرانی، أبو محمد الحسن بن علی بن الحسين، تحف العقول عن آل الرسول، مؤسسة الأعلمی للمطبوعات، بيروت، پانچویں طبعه 1394ھ.1974م.

10- ابن شهر آشوب، أبو جعفر محمد بن علی السروی المازندرانی (ت 588ھ)، مناقب آل أبي طالب، تحقيق وفهرسة: د . يوسف البقاعی، دار الأضواء، بيروت.لبنان، طبعه دوم ۱۲14ھ.

11- ابن طاووس، أبو القاسم علی بن موسی بن جعفر بن محمد الحسنی (ت 664ھ)، تحفظ، مؤسسة دار الكتاب للطباعة والنشر، قم، طبعه اول 1413ھ

12- ابن عساكر، علی بن الحسين بن هبة الله الدمشقی (ت 573ھ)، تاريخ دمشق، دار التعارف، بيروت، لبنان، طبع عام 1970م.

13- ابن كثير، أبو الفداء الحافظ ابن كثير الدمشقی (ت 774 ھ)، البداية والنهاية، اعتنى به: د. عبد الحميد هنداوی، المكتبة العصرية، بيروت.لبنان، طبع عام 1426ھ.2005م.

14- ابن هشام، أبو محمد عبدالملك بن هشام المعافری، المكتبة العصرية، بيروت-لبنان، طبع عام 1433ھ-2002م.

15- البحرانی، أبو المكارم هاشم بن سليمان بن إسماعيل الكتكانی التوبلانی (ت 1107 ھ)، غاية المرام و حجة الخصام فی تعيين

الإمام من طريق الخاص والعام، تحقيق: السيد على عاشور، غير مذكور عدد الطبعة ولا تاريخ الطبع.

16- التميمى المغربى، أبو حنيفة النعمان بن محمد بن منصور بن أحمد (ت363هـ)، شرح الأخبار، تحقيق: السيد محمد الحسينى الجلالى، مؤسسة النشر الإسلامى، قم.

17- التميمى المغربى، أبو حنيفة النعمان بن محمد بن منصور بن أحمد (ت363هـ)، المناقب والمثالب، تحقيق: ماجد بن أحمد العطية، مؤسسة الأعلمى، بيروت، الطبعة الأولى 1423هـ-2002م.

18- الحلبى الشافعى، أبو الفرج نور الدين على بن إبراهيم بن أحمد(1044هـ)، السيرة الحلبية، ضبطه وصححه: عبدالله محمد الخليلى، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الثالثة 2008م.

19- الخوارزمى، الموفق بن أحمد بن محمد المكى (ت 568هـ)، المناقب، مؤسسة النشر الإسلامى، قم، الطبعة الخامسة 1425هـ.

20- الرضى، الشريف، نهج البلاغة للإمام على بن أبى طالب، شرح الشيخ: محمد عبده، دار البلاغة، بيروت- لبنان، الطبعة الرابعة 1409هـ-1989م.

21- الصالحى الشامى، محمد بن يوسف، سبل الهدى فى سيرة خير العباد، دار الكتب العلمية، بيروت.لبنان، الطبعة الأولى 1414هـ.

22- الصدوق، أبو جعفر محمد بن على بن الحسين بن بابويه القمى (ت 381 هـ)، التوحيد، صححه وعلّق عليه: السيد هاشم الحسينى الطهرانى، دار المعرفة، بيروت . لبنان، غير مذكور عدد الطبعة ولا

تاريخها.

23- الطبرى، أبو جعفر محمد بن جرير (ت 310 هـ)، تاريخ الطبرى.. تاريخ الأمم والملوك ، دار الكتب العلمية، بيروت . لبنان، الطبعة الثانية 1424 هـ.2003م.

24- الطوسى، أبو جعفر محمد بن الحسن بن على (ت 460 هـ)، الأمالى، مؤسسة التاريخ العربى، بيروت، الطبعة الأولى 1430هـ- 2009م.

25- العاملى، جعفر مرتضى، الصحيح من سيرة النبى الأعظم، المركز الإسلامى للدراسات، بيروت. لبنان، الطبعة الخامسة 1428هـ- 2007م.

26- العقاد، عباس محمود، عبقرية الإمام على، دار الكتاب اللبنانى، بيروت-لبنان، الطبعة الثانية 1411هـ- 1991م.

27- الفضلى، عبد الهادى، خلاصة علم الكلام، مركز الغدير للدراسات، بيروت-لبنان، الطبعة الثالثة 1428هـ- 2007م.

28- القندوزى الحنفى، سليمان بن إبراهيم الحسينى البلخى، ينابيع المودة، مؤسسة الأعلمى للمطبوعات، بيروت . لبنان، الطبعة الأولى 1418هـ.1997م.

29- الكلينى، محمد بن يعقوب (ت 329 هـ)، أصول الكافى، ضبطه وصححه وعلّق عليه: الشيخ محمد جعفر شمس الدين، دار التعارف للمطبوعات، بيروت.لبنان، طبع عام 1419 هـ.1998م.

30- المجلسى، محمد باقر بن محمد تقى، بحار الأنوار، مؤسسة أهل البيت، الطبعة الرابعة 1409 هـ.1989م.

31- المرتضى، على بن الحسين الموسوى العلوى(ت 436ھ)، أمالى المرتضى: غرر الفوائد ودرر القلائد، المكتبة العصرية، بيروت، الطبعة الأولى 1425ھ-2004م.

32- المرعشى النجفى، السيد شهاب الدين(ت 1411ھ)، شرح إحقاق الحق، منشورات مكتبة آية الله العظمى المرعشى، قم، الطبعة الأولى 1415ھ.

33- المفيد، أبو عبدالله محمد بن محمد بن النعمان العكبرى البغدادى (ت 413 ھ)، الإرشاد، مؤسسة التاريخ العربى، بيروت-لبنان، الطبعة الأولى، غير مذكور تاريخ الطبع.

34- النسائى، أبو عبدالرحمن أحمد بن شعيب (ت 303ھ)، خصائص أمير المؤمنين على بن أبى طالب، المكتبة العصرية، بيروت-لبنان، طبع عام 1424ھ-2003م.

35- المتقى الهندى، علاء الدين على المتقى بن حسام الدين، كنز العمال فى سنن الأقوال والأفعال، مؤسسة الرسالة، بيروت، لبنان، طبع عام 1409ھ.1989م، غير مذكور عدد الطبعة.

حجۃ الاسلام والمسلمین الشیخ الدکتور عبداللہ أحمد الیوسف

حجۃ الاسلام مولانا مرزا عسکری حسین صاحب قبلہ، مقیم کویت